www.shibliacademy.org

مقالات

حافظ ابن حجر العسقلانی اور ان کا نادر نسخہ ''ہدی الساری''

(نسخۂ کاندھلہ)

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

ہر مسلمان جو اسلام سے کسی درجہ کا بھی تعلق رکھتا ہے، جانتا ہے کہ اسلام کی بنیادی دستاویز اور قیامت تک رہنے والی کتاب، قرآن کریم ہے، جو منزل من اللہ اور آخری وحی ہے، قرآن کے احکام، ہدایات، تعلیمات، واقعات اور اجمال کی تفصیل وتشریح احادیث نبویہ کرتی ہیں، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام! اور احادیث شریفہ کے جس قدر بھی مجموعے مرتب ہوئے اور کتابیں لکھی گئیں، ان تمام مجموعوں میں سے جو کتاب احادیث کے تمام مجموعوں پر فائق، اعلیٰ سند و انتخاب میں سب سے نمایاں اور امت میں مقبولیت کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ ہے، وہ حضرت امام محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب صحیح بخاری ہے۔ جس کو ائمۂ فن حدیث و رجال اور بے شمار جلیل القدر علماء نے ہر کسوٹی پر کسا اور سند و اعتبار کے لیے سخت سے سخت معیاروں پر جانچا مگر حضرت امام بخاری کی یہ خدمت ہر اعتبار سے اس مقام پر پہنچی کہ دنیا کی تمام انسانی کاوشوں، تصانیف وتحریرات میں اس سے بلند تر مقام کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ وہ مبارک سند ہے کہ کوئی بھی علمی کاوش و کوشش اس کے ہم پایہ نہیں۔

صحیح بخاری جس مقام و مرتبہ کی کتاب ہے، اس کا ویسا ہی غیر معمولی استقبال ہوا، اس کی تعلیم و اجازت، شرح و تحقیق اور مغلقات کے حل کے لیے بے مثال کوششیں سامنے آئیں۔ حضرت امام بخاری سے اس کی براہ راست سماعت و روایت کرنے والے اصحاب نوّے ہزار سے زیادہ ہوئے اور ابھی

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، مولویان، کاندھلہ، شاملی (مظفر نگر) یوپی۔ Email:nhrashidkandhlavi@yahoo.com

www.shibliacademy.org

صحیح بخاری کی تالیف پر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اس کی شرح و تعلیق کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سب سے پہلی شرح امام خطابی (الامام احمد بن محمد الخطابی۔ المتوفی ۳۸۸ھ۔ ۹۹۸ء) کی شرح (اعلام السنن) ہے، جو امام بخاری کی وفات کے تقریباً سو سال بعد لکھی گئی۔(۱) اس کے بعد سندات، رواۃ، ترتیب، ترجیحات، تنقیدات، ابواب بخاری اور مسلک امام بخاری، ثلاثیات بخاری، تلخیصات بخاری، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متفق علیہ (مما اتفق علیہ الشیخان) اور مختلف فیہ پہلوؤں کے علاوہ، صحیح بخاری سے وابستہ بیسیوں عنوانات اور گوشوں پر تحریر کا ایک وسیع و لامتناہی عمل جاری ہوا، جو آج تک اسی طرح جاری ہے اور بعض حیثیتوں اور عنوانات میں غالباً متقدمین سے بھی بڑھا ہوا ہے۔(۲) لیکن صحیح بخاری کی کئی سو شرحیں اور اس پر کیے گئے بیسیوں پہلوؤں پر بے شمار کاموں اور غیر معمولی خدمات اور کارناموں کے باوجود، مشہور محدث و محقق علامہ عجلونی الجراحی فرماتے ہیں:

"مع كثرة الشارحين لصحيح البخاري والخادمين، فقد قالوا انه كالبكر التى لم تمسها الرجال وكالمستور من ربات الخباء والحجال"۔ (۳)

صحیح بخاری کی ان تمام شروحات و متعلقات کے اس ذخیرہ یا خزانہ میں، شیخ الاسلام، خاتمۃ الحفاظ والمحدثین، حافظ ابن حجر (احمد بن محمد العسقلانی) کی شرح صحیح بخاری، فتح الباری کا جو مقام ہے اور ان کے عہد سے آج تک جس کثرت، تواتر و تسلسل کے ساتھ اس شرح سے استفادہ کیا گیا ہے، وہ بخاری شریف کی شروحات، بلکہ حدیث شریف کی تمام کتب شرح میں گویا منفرد ہے۔ چند کتابوں کے علاوہ کسی شرح حدیث کو وہ مقام رفیع اور قبولیت و اعتماد کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا، جو فتح الباری کے حصہ میں آیا ہے۔ علامہ شوکانی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ: "لا هجرة بعد الفتح" یعنی فتح الباری کی تصنیف کے بعد، شرح بخاری کے جملہ مقاصد، بڑی حد تک حل ہوگئے ہیں، اس لیے اس کے بعد اس موضوع پر، کسی نئی کتاب اور شرح کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ علامہ شوکانی کی یہ رائے اگرچہ فتح الباری کے لیے بہت بڑا خراج تحسین ہے، مگر قول فیصل نہیں۔ حافظ ابن حجر اور علامہ ابن خلدون، دونوں کے عہد سے عصر حاضر تک، علماء اور محدثین کرام نے صحیح بخاری کے مقام و مرتبہ کی کامل دریافت کے لیے اس کے علوِ شان اور امام بخاری کی دقت نظر اور رفعت پرواز کی تحقیق اور اس تک رسائی کے لیے ایسے نئے گوشے

www.shibliacademy.org

تلاش کیے ہیں، جہاں اہم شراح نہیں پہنچے۔(۴)

فتح الباری حافظ ابن حجر کی شروحات صحیح بخاری میں سے دوسری کتاب یا اوسط شرح کا نام ہے۔ حافظ نے اول صحیح بخاری کی ایک مفصل شرح لکھنی شروع کی تھی، جو مکمل نہیں ہوئی، دوسری فتح الباری ہے، تیسرا فتح الباری کا خلاصہ یا مختصر شرح بخاری تھی، یہ بھی مکمل نہیں ہوئی مگر دونوں کے ناتمام نسخے دریافت ہیں۔ بڑی شرح کے ارادہ سے صحیح بخاری کے مطالب ومقاصد کی تنقیح وترتیب کے لیے حافظ ابن حجر نے ایک بہت مفصل، جامع اور عظیم مقدمہ لکھا تھا، اگرچہ یہ مفصل شرح مکمل ہوکر، امت کے ہاتھوں میں نہیں آئی، مگر اس شرح کے لیے جو مقدمہ لکھا گیا تھا، وہ ''ھدی الساری'' کے نام سے، صحیح بخاری کے نکات ومعضلات حل کرنے میں، دنیا بھر کے حدیث کے طالب علموں کی مدد اور رہنمائی کررہا ہے۔ آیندہ صفحات میں اسی ''ھدی الساری'' کے ایک نہایت گراں قدر اور معتبر ترین نسخوں میں سے ایک نسخہ کا، کچھ تعارف پیش کیا جائے گا۔ لیکن اس کے تعارف سے پہلے، اس کے جلیل القدر مصنف، حافظ ابن حجر کا مختصر تذکرہ ضروری ہے۔

شیخ الحفاظ والمحدثین، شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد بن حجر۔(۵) شعبان ۷۷۳ھ (فروری، مارچ ۱۳۷۲ء) میں دریائے نیل کے ساحل پر مصر کے قدیم علاقہ میں پیدا ہوئے، اگرچہ تاریخ ولادت میں تذکرہ نگاروں اور مورخین کا اختلاف ہے، مگر اس پر اتفاق ہے کہ شعبان ۷۷۳ھ میں ولادت ہوئی تھی۔ حافظ کے اجداد اور اہل خاندان علم وفضل کے علاوہ کاروبار اور دولت کی وجہ سے اپنے علاقہ میں ممتاز شمار کیے جاتے تھے۔ حافظ صاحب کے دادا قطب الدین محمد بن محمد بن علی (وفات: ۷۴۱ھ-۱۳۴۰ء) بہت بڑے تاجر تھے، لیکن محدثین وعلماء سے احادیث کی اجازتیں بھی حاصل کی تھیں، (۶) حافظ ابن حجر کے والد علی ابن محمد بھی جید عالم تھے، حافظ ابن حجر کے والد کا ایک عالم کی حیثیت سے تذکرہ کیا جاتا ہے، مگر ہدی الساری کے ۸۲۰ھ کے مکتوبہ ایک نسخہ کے آخر میں (جس کا تعارف آیندہ صفحات میں آرہا ہے) شیخ علی بن محمد کو الشیخ الامام سے یاد کیا گیا ہے، جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ حافظ ابن حجر کے والد محترم جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ امام نووی کی کتاب الأذکار پر استدراک بھی لکھا تھا، بہت سے اشعار ان کی یادگار ہیں۔ حافظ کم سن تھے کہ والد محترم کی وفات ہوگئی، والد صاحب نے اپنے ایک دانش مند دوست ابوبکر بن علی بن

www.shibliacademy.org

احمد زکی الدین خروبی (ولادت:۷۲۵ھ۔۱۳۲۵ء/وفات:۷۸۷ھ۔۱۳۸۵ء) کو جو بعد میں بڑے تاجر اور صاحب دولت وثروت ہوئے، حافظ کا ولی اور سرپرست مقرر کردیا تھا (۷) انہوں نے اس ذمہ داری کو پورے اہتمام سے انجام دیا اور حافظ کی تعلیم وتربیت میں کوئی کمی باقی نہیں چھوڑی۔

حافظ کے اور اہل خاندان بھی علم کی خوشبو سے معطر تھے، مردوں کے علاوہ خواتین بھی علم و فضل سے مالا مال اور درجۂ کمال پر فائز تھیں، حافظ کی بہن امت اللہ بنت علی بن محمد، عالمہ فاضلہ اور تحریر میں ماہر اور ذکاوت وفطانت میں اپنے عہد میں ممتاز تھیں، دکتور شاکر محمود نے لکھا ہے:

کانت کاتبة اعجوبة فی الذکاء ان کی ۷۹۸ھ میں وفات ہوئی۔(۸)

گھر کے عالمانہ ماحول، ہر وقت علم کے چرچوں اور اہل کمال اہل خانہ کی صحبتوں سے حافظ کو علم کے راستوں پر قوت سے قدم جمانے اور اسی راستہ پر مسلسل سفر کرتے رہنے کا شوق ہوا۔ حافظ کو حفظ قرآن مجید، تجوید وقرات، صرف ونحو، اصول وقواعد زبان، لغت، ادب اور علوم عالیہ، تفسیر قرآن کریم، اصول ومتعلقات، روایت حدیث، درایت حدیث، فقہ، اصول فقہ، ہر ایک موضوع کے ایسے استاذ میسر ہوئے کہ ہر ایک اپنے اپنے فن کا امام اور اس دور میں بے مثال تھا۔

حضرت حافظ ابن حجر کو حق تعالیٰ نے علم حدیث کی عالمی فرماں روائی، غیر معمولی اور نہایت وسیع خدمت کے لیے منتخب وموفق فرمایا تھا، اسی لیے حافظ کی طبیعت میں، وہ تمام صلاحیتیں، بھرپور طریقہ سے رکھ دی گئی تھیں، جو بنیاد اور لازمہ کی حیثیت رکھتی تھیں، بے مثال حافظہ، تعلیم اور کمال علمی کے حصول کے لیے جہد مسلسل محدثین اور علمائے کرام سے تعلیم واستفادہ کا بے انتہا جذبہ۔ کتابوں کے پڑھنے، یاد کرنے اور ان کی نقل وتحریر میں ایسی سرعت، جس کو خاص فضل الٰہی ہی کہا جاسکتا ہے۔ ورنہ عموماً اوقات میں نہ ایسی برکت ہوتی ہے، نہ ہی اس درجہ کی بے پناہ بلکہ محیر عقول قوت حافظہ کا عموماً مشاہدہ ہوتا ہے، نہ وقت میں اس قدر وسعت وبرکت ہر ایک کے نصیب میں ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر کو نادر العہد والزمان حافظہ، غیر معمولی قوت اخذ واستنباط اور فہم وذکاوت کی وجہ سے پڑھی اور سنی ہوئی تمام کتابوں کا، بیک وقت ایسا استحضار رہتا تھا، جیسے تمام علوم، جملہ مباحث اور ائمہ و محدثین کی مختلف ومتفق تحقیقات اور تمام اقوال وکلمات، صف باندھے سامنے کھڑے ہوں۔ ان میں سے کس کو کہاں کس طرح استعمال کرنا ہے، اس سے کیا نتائج وفوائد اخذ کرنے ہیں اور کون کون سے

www.shibliacademy.org

چھوڑ دیتے ہیں، ان سب کا بیک وقت خیال رہتا تھا۔ اُدھر پڑھا، ادھر دماغ میں پیوست ہوا، ادھر کتاب کی تالیف یا نقل کے لیے قلم اٹھایا اور وہ کتاب اور نقل مکمل ہوجاتی تھی۔ جو کام دوسروں سے مہینوں میں ہوتا تھا، وہ حافظ کے قلم سے دنوں میں ہوجاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام تر ایسا عطیۂ ربانی تھا، جس سے کسی کسی کو ہی سرفراز کیا جاتا ہے۔

من جانب اللہ تعالیٰ حافظ کو جو صلاحیتیں، خصائص اور کمالات عطا ہوئے تھے، حافظ ابن حجر نے ان میں سے ہر ایک کا آخری حد تک فائدہ اٹھایا، آغاز جوانی سے زندگی کے آخری ایام تک، ہر ایک دور میں مختلف استادوں سے اخذ و استفادہ کرتے رہے۔

تمام علوم و فنون، اصول نحو و صرف، لغت و اشتقاق وغیرہ اور تجوید و قرات، تفسیر، اصول اور ان کے تمام منابع و متعلقات اور سب سے بڑھ کر روایت حدیث اور حدیث کی تفہیم و تشریح، اس کے متعلقات، صحیح و ضعیف، معلل و منکر، درایت و روایت، نقد و تحلیل، سند و رجال، مشتبہات و مبہمات، ہر عنوان سے حافظ کو اس درجہ بصیرت و گہرائی عطا ہوئی تھی کہ خود حافظ صاحب کے زمانہ میں بھی اس کی نظیر نہیں تھی۔

شیخ ابن حجر کو قرآن کریم حفظ کرنے کے ساتھ یہ اختصاص حاصل ہوا کہ انہوں نے سب سے پہلا قرآن شریف حرم مکی میں سنایا۔ اسی سال پہلی مرتبہ حج کی توفیق ملی۔ قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ سورۂ مریم ایک دن میں حفظ کی تھی۔

کتابوں کا شوق یوں تھا کہ بعض کتابیں علماء اور جاننے والوں سے عاریت پر اور کچھ کرایہ پر لیتے تھے، مطالعہ کی کثرت اور اہتمام کے علاوہ، علمائے محدثین کی خدمات میں حاضر ہونے، ان سے اخذ و استفادہ کرنے اور تعلیم و اجازات کے ہر موقع کو خاص نعمت اور تحفہ سمجھ کر، ہر وقت اس کے لیے متحرک رہتے تھے۔

۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) میں جب ابن حجر کی عمر صرف سترہ سال تھی، قرأت و تجوید اور متعدد علوم کی متوسطات، مختلف استادوں سے پڑھ چکے تھے۔ صحیح بخاری کی سماعت کے علاوہ، ادب اور تاریخ بھی پڑھ رہے تھے۔

انیس سال کی عمر میں اعلیٰ فنون میں مہارت ہوگئی تھی، عربی زبان و ادب کی وسیع واقفیت تھی

www.shibliacademy.org

شعرائے عرب کا بے پناہ استحضار تھا، شعر سنتے ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ فلاں کا شعر ہے یا اس شاعر نے یہ خیال فلاں شاعر سے لیا ہے۔

ادب و انشاء اور شعر میں مہارت: حافظ کی ادب سے گہری دلچسپی اور واقفیت کی وجہ سے حافظ کا عربی کے ممتاز لکھنے والوں اور شاعروں میں نام آنے لگا تھا، حافظ نے اپنا کلام بھی مرتب کیا تھا، جو عمدہ، مرتب دیوان کی صورت میں متعارف ہے۔(۹)

حافظ ابن حجر نامور عالم اور محدث یگانہ، علامہ زین الدین عراقی (وفات:۸۰۶ھ-۱۴۰۳ء) کا دامن پکڑا، ان کی خدمت میں دس سال تک حاضر رہے اور علوم حدیث کے تمام گوشے بہت اہتمام و انہماک سے حاصل کیے۔

حافظ ابن حجر نے حافظ عراقی سے، ان کی اہم تالیف الفیة الحدیث پڑھی اور اس کی شرح کا سبق لیا، اس کے علاوہ بھی مختلف علوم کی کتابوں اور رسائل کی قرأت و سماعت سے فیض یاب ہوئے۔ نیز عراقی کے علوم قلم بند اور محفوظ کیے۔ علامہ عراقی پہلے جلیل القدر استاد تھے، جنہوں نے حافظ کو علوم خصوصاً حدیث کے درس کی اجازت عطا فرمائی، یہ واقعہ ۷۹۷ھ(۱۳۹۴ء) کا ہے۔

لیکن حافظ نے اس پر اکتفا نہیں کیا، دوسرے محدثین سے مزید تعلیم و اجازات کے لیے ۷۹۷ھ(۱۳۹۴ء) میں، علامہ برہان شامی کی خدمت میں پہنچے، اسی سال کے آخر میں اسکندریہ کا سفر کیا، وہاں علامہ شمس الدین ابن الجزری سے ملاقات کی۔ شیخ ابوطاہر سلفی کے آخری شاگرد، شیخ ابوعبداللہ محمد بن احمد، ابن عبدالرزاق شافعی سے احادیث کا سماع کیا، اسی سفر میں اور بھی متعدد علماء اور محدثین سے اجازتیں اور سندیں حاصل کیں اور جن علماء اور محدثین سے استفادہ کیا، ان پر ایک مختصر تالیف: ''الدر المضیة من فوائد الاسکندریہ'' کے نام سے مرتب کی۔

اسکندریہ سے واپسی کے بعد شوال ۷۹۹ھ(۱۳۹۶ء) تک مصر میں قیام کیا، وہاں سے حجاز آئے جہاں علمائے فاضلین کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی، جو یمن جانے کا ارادہ کر رہی تھی، جس میں علامہ نجم الدین محمد بن ابی بکر المصری ثم المکی (جو مرجانی کے نام سے مشہور ہیں) بھی شامل تھے، ان سے احادیث پڑھیں۔ اس سفر میں حافظ صلاح الدین خلیل بن محمد اقفہسی (وفات:۸۲۰ھ-۱۴۱۷ء)، رضی الدین ابوبکر بن ابی المعالی الزبیدی وغیرہ ان کے رفیق تھے، جس کی وجہ سے اس سفر کی علمی افادیت

www.shibliacademy.org

بہت بڑھ گئی تھی۔ اس طرح یہ سفر حافظ کی حیات کا ایک یادگار اور علم و افادہ سے بھرپور سفر تھا۔ اسی سفر میں ینبوع میں حافظ کی اپنے ابتدائی دور کے بعض شاگردوں سے بھی ملاقات ہوئی۔

۸۰۰ھ (۱۳۹۷ء) میں یمن پہنچے، یہاں متعدد شہروں میں محدثین اور علماء سے ملاقاتیں رہیں۔ زبید میں مشہور ماہر لغت، علامہ مجدالدین فیروز آبادی، صاحب قاموس سے ملاقات ہوئی، ان کی مجلس میں کئی کتابیں، خصوصاً قاموس کا نصف ثانی پڑھا۔

یمن کے حاکم الملک الاشرف اسماعیل غسانی (وفات: ۸۰۳ھ-۱۴۰۰ء) نے، شیخ ابن حجر کی بے حد پذیرائی کی، ان سے احادیث سنیں اور شیخ کو گراں بہا تحفوں سے نوازا۔ حافظ نے بھی ان کو تاریخ ادب اور عربی شعراء کے ایک بڑے انتخاب پر مرتب اپنی سب سے اہم تصنیف: **مسامر الساھر و مساھر السامر** کا تحفہ دیا، یہ نسخہ حافظ کے اپنے قلم سے لکھا ہوا تھا۔ (۱۰) حاکم یمن نے ان کے حرمین شریفین کے سفر کا عمدہ انتظام کیا، بہترین سواریوں اور ساز و سامان کے ساتھ شیخ کو یمن سے رخصت کیا۔ شیخ ایک بڑے قافلہ اور خاص اعزاز کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچے، حج کی دولت سے سرفراز ہوئے اور حرمین شریفین کی حاضری کے ساتھ ساتھ حرمین میں مقیم، اکابر محدثین اور علمائے کرام کی ملاقاتوں اور تعلیم و استفادہ سے بھی مالا مال ہوگئے۔ اگرچہ شیخ اس سے پہلے نوعمری میں حج کی سعادت حاصل کر چکے تھے، مگر بلوغ کے بعد، یہ پہلی زیارت تھی۔

حافظ ابن حجر نے ۸۰۲ھ (۱۳۹۹ء) میں دمشق کا سفر کیا، تقریباً تین مہینے یا سو دنوں تک، دمشق میں قیام رہا، یہ سفر بھی یادگار اور ناقابل فراموش سفر تھا جس میں انھوں نے حدیث تفسیر اور فقہ کی بیسیوں معروف و ممتاز کتابوں کے علاوہ وہاں کے علماء کی تقریباً سو جلدیں سبقاً سبقاً پڑھیں اور سنیں (۱۱) اور ان علماء سے اجازتیں بھی حاصل کیں، اسی قیام میں تقریباً دس جلدیں، نقل اور تصنیف بھی فرمائیں۔

حافظ، شعبان ۸۰۲ھ (۱۳۹۹ء) میں اس سفر کے لیے نکلے تھے، اس سفر میں سریاقوس، قطنی، غزہ، نابلس، رملہ، بیت المقدس، الخلیل، دمشق، صالحیہ وغیرہ جانا ہوا، (۱۲) ان کے علاوہ بھی کئی چھوٹے بڑے مقامات کا سفر کیا۔

کئی سال بعد ۸۳۶ھ (۱۴۳۳ء) میں، حلب کا سفر کیا، جس میں ان کو علماء اور محدثین کی صحبتوں میں جو علمی نکات اور افادات و علوم حاصل ہوئے، ان کو ایک مختصر تالیف: **جلب حلب** میں

www.shibliacademy.org

قلم بند کیا۔

حافظ ابن حجر کے اساتذہ کا امتیاز: حافظ ابن حجر کو اوائل تعلیم سے ایسے استاد نصیب ہوئے، جو ہر ایک کو نہیں ملتے۔ حافظ ابن حجر کو جن علوم وفنون میں مہارت، درجۂ کمال، بلکہ مقام امامت حاصل ہے، ان میں حافظ کے اکثر اساتذہ بھی، اپنی اپنی جگہ بے نظیر بلکہ اپنے دور اور بعد کے علماء میں بھی درجۂ اختصاص پر فائز تھے۔ ان نامور اساتذہ کی توجہ اور خود حافظ صاحب کے شوق استفادہ نے ان کو اس بلند مقام تک پہنچادیا کہ کلمہ اعتراف بلند ہوا۔

"انہ ما رأی مثله و لا رأی هو مثل نفسه و انه ما دخل الیٰ دمشق بعد ابن عساکر اجل منه و لا مثله"۔ (۱۳)

حافظ ابن حجر کے چند خاص استاذ: تمام علمی خاندانوں، بلکہ مسلمانوں کے عمومی مزاج اور ترتیب کے مطابق، حافظ ابن حجر نے سب سے پہلے قرآن کریم پڑھا، حفظ کیا اور کم سنی میں (بلوغت سے پہلے) حرم مکہ میں رمضان المبارک میں قرآن مجید سنانے کی سعادت حاصل کی۔

پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل کیے گئے، مکتب میں جن سے پڑھا، ان میں شمس الدین علاف شامل تھے۔ (۱۴) حفظ قرآن کریم کی تکمیل، صدر الدین محمد بن محمد بن عبدالرزاق السفطی سے کی، پانچ سال کی عمر میں حفظ قرآن سے فارغ ہوگئے۔

مصر میں (۷۵-۷۴-۱۳ء) میں عمدۃ الاحکام، مقدسی (۱۵) اور حاوی صغیر قزوینی (۱۶) پڑھیں، اصول میں مختصر ابن الحاجب، حریری کی ملحۃ الاعراب، بیضاوی کی منھج الاصول، عراقی کی الفیہ، ابن مالک کی الفیہ اور شیرازی کی مسائل فروعیہ میں التنبیہ پڑھی۔

۱۳۸۳ء میں مسند حجاز، عفیف الدین، عبداللہ النشاوری (وفات: ۷۹۰ھ-۱۳۸۸ء) سے بخاری شریف پڑھی۔ حافظ نے لکھا کہ:

"وهو اول شیخ، سمعت علیه الحدیث المسند فیما اتصل بعلمی، و هو خاتمة أصحاب الرضی الطبری بالسماع"۔ (۱۷)

دوسری مرتبہ صحیح بخاری نجم الدین، ابی محمد، عبدالرحیم بن رزین بن غالب سے جمال بن ظہیرہ کی قرأت سے (۱۳۸۴ء) میں سنی۔ ایک اور درس ابی الفرج عبدالرحمان بن احمد بن مبارک غزی (وفات

www.shibliacademy.org

۷۹۹ھ۔۱۳۹۶ء) سے لیا۔(۱۸)

پہلے شعر و ادب اور تاریخ میں وقت کے مشہور شاعر بدرالدین البشتکی (وفات ۸۳۵ھ۔ ۳۲-۱۴۳۱ء) کے علم اور کتب خانہ سے فائدہ اٹھاتے رہے۔(۱۹)

امتحان و ابتلاء کا ایک دور: گزر چکا ہے کہ حافظ کم سن تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا، ان کے والد کے دوست اور تاجر بلکہ رئیس التجار، زکی خروبی کو ولی اور سرپرست ہوئے، جب تک وہ زندہ رہے، حافظ کامل یکسوئی اور انہماک سے تعلیم و مطالعہ میں مشغول رہے۔ ۷۸۷ھ (۱۳۸۵ء) میں شیخ خروبی بھی سفر آخرت پر روانہ ہو گئے، جو حافظ کی زندگی کا ایک بڑا حادثہ اور نازک موڑ تھا، اندیشہ تھا کہ یہ حادثہ اور معاش کی مجبوری حافظ کو تجارت کی راہ پر نہ ڈال دے، اس لیے اگرچہ شیخ خروبی کی وفات نے حافظ کی زندگی کو کچھ عرصہ پریشان رکھا وہ تجارت میں مشغول بھی رہے، مگر اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور حافظ جلد ہی اس پریشانی سے نکل آئے۔

خدمت حدیث کا ارادہ اور اس پر عمل: حافظ نے علوم عالیہ دینیہ میں کمال حاصل کرلیا تھا اور وہ چاہتے تو اس غیر معمولی صلاحیت کو دنیوی مال و دولت اور ارباب و اقتدار کی قربت کے لیے استعمال کر سکتے تھے۔

انہوں نے اپنی علمی صلاحیتوں کو خدمت حدیث کے لیے وقف کرنے کا بڑا فیصلہ کرلیا تھا۔

حافظ نے حدیث شریف کی تعلیم کا اہتمام ۷۹۳ھ (۱۳۹۰ء) سے شروع کیا، تین سال کے بعد ۷۹۶ھ (۹۴-۱۳۹۳ء) سے اس کے لیے بالکل وقف ہو گئے۔

ان کے جید اساتذہ میں پہلا نام علامہ زین الدین عراقی (وفات ۸۰۶ھ۔ ۰۴-۱۴۰۳ء) کا ہے۔ حافظ نے، دس سال علامہ عراقی کی خدمت میں گزارے، حافظ نے علامہ عراقی کے درس میں جو چھوٹی بڑی کتابیں اور اجزاء حدیثیہ پڑھے، ان کی تفصیل اپنی کتاب **المعجم المؤسس للمعجم المفهرس** میں تحریر فرمائی ہے۔(۲۰)

آخری زمانۂ حیات میں جب علامہ عراقی سے اس وقت موجود حفاظ حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا، تو انہوں نے حفاظ حدیث کے جو نام شمار کرائے، ان میں سب سے اول نام حافظ ابن حجر کا تھا۔ حافظ نے **انباء الغمر في ابناء الغمر** میں لکھا ہے:

www.shibliacademy.org

"سئل عند موته، عمن بقی بعده من الحفاظ، فبدأبی" (۲۱)

علامہ عراقی پہلے استاد ہیں، جنہوں نے حافظ کو درس حدیث کی اجازت سے نوازا، حافظ کو یہ سعادت ۷۹۷ھ (۹۵-۱۳۹۴ء) میں عطا ہوئی تھی۔

حافظ کے اساتذہ کی فہرست بہت لمبی ہے، حافظ نے اپنے مجموعہ مشیخات واجازات: المجمع المؤسس المعجم المفھرس کی قسم اول میں تین سو چھیاسٹھ استادوں کے نام شمار کرائے ہیں، یہ استادوہ ہیں، جن کی صحبت سے حافظ منور ومعطر ہوئے، ان کی صحبت سے فیض اٹھایا اور ان کے حلقہ ہائے درس میں حاضر ہوکر قرأت وسماعت کی مسرت وسعادت حاصل کی یا ان کی اجازت اور سلسلۂ روایت کی وابستگی سے اپنے طرۂ کمال کی زیبائش وبلندی میں اضافہ کیا۔

حافظ کے جملہ اساتذہ کا مختصر تعارف، بلکہ نام شمار کرانا بھی یہاں ممکن نہیں، لیکن ایسے استاد جن کا حافظ کی زندگی، سیرت وکردار، علم کی پختگی اور سلسلۂ اجازت وروایت پر وسیع اور گہرا اثر ہوا، ان کو نظر انداز کرنا درست نہ ہوگا، اس لیے آیندہ صفحات میں ہر اک فن کے چند خاص استادوں کے صرف نام ذکر کیے جاتے ہیں۔

(الف) شیوخ قرأت: ۱- التنوخی: شیخ ابراہیم بن احمد بن عبدالواحد بن عبدالمومن، التنوخی، الشیخ برہان الدین الشامی (۷۰۹ھ-۱۳۰۹ء-۸۱۰ھ-۱۴۰۷ء) حافظ نے ان سے قرأت سبعہ میں سورۂ فاتحہ سے سورۂ بقرہ مفلحون تک پڑھی۔

۲- الجزری: شیخ محمد بن محمد بن محمد الدمشقی الجزری (۷۵۱ھ-۱۳۵۰ء- ۸۳۳ھ- ۳۰-۱۴۲۹ء) شیخ القرأت شیخ جزری نے اپنی گراں مایہ تالیف حصن حصین کی اجازت سے بھی نوازا۔ (۲۲)

(ب) شیوخ حدیث: حافظ کے اساتذۂ حدیث کی طویل فہرست میں چند ممتاز اساتذہ کے نام، اس سلسلۃ الذہب کی قیمت ومعنویت کے اندازہ کے لیے تحریر ہیں۔

(الف) حافظ العصر عراقی: عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمن المہرانی المولد، عراقی الاصل، الکردی۔ الشیخ زین الدین العراقی، ولادت: ۲۱/جمادی الاولیٰ ۷۲۵ھ (اپریل ۱۳۲۵ء) وفات: ۸/ شعبان ۸۰۶ھ۔ (۱۴۰۴ء)۔ (۲۳)

(ب) حافظ ہیثمی: علی بن ابی بکر بن سفیان، الہیثمی۔ الشیخ نورالدین، ابوالحسن الشافعی۔

www.shibliacademy.org

ولادت: رجب ۷۳۵ھ (۱۳۳۴ء) بالقاہرۃ۔ وفات: ۱۹؍رمضان ۸۰۷ھ (۱۴۰۵ء)۔ (۲۴)

(ج) البالسی: محمد بن محمد بن محمد بن القدوہ البالسی الصالحی، الشیخ المسند الکبیر، بدرالدین ابی عبداللہ ولادت: ۹؍جمادی الاولیٰ ۷۲۱ھ (جون ۱۴۲۱ء) وفات شعبان ۸۰۳ھ (مارچ ۱۴۰۱ء)۔ (۲۵)

(د) ابن الصائغ: علی بن محمد بن محمد بن ابی المجد، الدمشقی۔ ولادت: ربیع الاول ۷۰۷ھ (اگست ۱۳۰۷ء) وفات: ۵؍ربیع الآخر ۸۰۰ھ (دسمبر ۱۳۹۸ء)۔ (۲۶)

(ہ) فاطمہ بنت المنجا التنوخیہ: فاطمہ بنت محمد بن احمد بن محمد بن عثمان بن المنجا۔ ام الحسن الدمشقیہ ولادت: ۷۱۲ھ (۱۳۱۲ء) وفات، تقریباً نوے سال کی عمر میں، ربیع الاخر، ۸۰۳ھ (۱۴۰۰ء)۔ (۲۷)

(٦) فاطمہ المقدسیہ: فاطمہ بنت محمد بن عبدالہادی، المقدسیۃ ثم الصالحیۃ، ام یوسف الحنبلیہ ولادت: ۷۱۹ھ (۱۳۱۹ء) وفات: ۸۰۳ھ (۱۴۰۰ء)۔ (۲۸)

دکتور شاکر محمود عبدالمنعم نے جن اساتذہ کی فہرست دی ہے، وہ درج بالا ترتیب سے کسی قدر مختلف ہے، انہوں نے حافظ کے اساتذۂ حدیث میں سب سے پہلے، شیخ عبداللہ بن محمد بن محمد النیشابوری المعروف بالنشاوریو (۲۹) ولادت: ۷۰۵ (۱۳۰۵ء) وفات: ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد محمد بن عبداللہ بن ظہیرہ المخزومی، (۳۰) المکی جمال الدین ۷۵۱ھ۔ (۱۳۵۰ء) ۸۱۷ھ۔ (۱۴۱۴ء) کا، مگر تغلیق التعلیق کے مرتب ومحقق (شیخ، عبدالرحمن موسیٰ القزفی) نے حافظ ہیثمی اور عراقی کے علاوہ، جن بڑے استادوں کے نام شمار کرئے ہیں، اس میں ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

بہ ظاہر یہ صرف طریقۂ انتخاب کا اختلاف ہے۔ شیخ نشاوری اور حافظ جمال مکی کا، بلاشبہ حافظ کے اہم استادوں میں شمار ہے۔

اساتذۂ فقہ: فقہ میں مہارت وکمال کے لیے حدیث کی وسیع واقفیت اور گہری نظر ضروری ہے، ضروری تھا کہ حافظ فقہ میں بھی بصیرت وکمال حاصل کریں۔ علم فقہ بھی ایسے ممتاز استادوں سے حاصل کیا، جو اس فن کے امام تھے۔ مذاہب اربعہ، نیز غیر متداول اور غیر معروف مسالک فقہ کی وسیع واقفیت کے علاوہ، فقہ شافعی میں ممارست اور امتیاز حاصل کیا، فقہ میں حافظ کے چند اساتذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ البلقینی: علامہ سراج الدین البلقینی ولادت: ۱۲؍رمضان ۷۲۴ھ (ستمبر ۱۳۲۴ء)

www.shibliacademy.org

وفات: ۱۰/ذی قعدہ ۸۰۵ھ (جون ۱۴۰۳ء)۔(۳۱)

۲۔علامہ ابن الملقن: عمر بن علی بن احمد بن محمد الانصاری، الاندلسی، الاصل، نزیل قاہرہ، سراج الدین ابن الملقن (ولادت: ربیع الاول ۷۲۳ھ۔ ۱۳۲۲/ وفات: ربیع الاول ۸۰۴ھ۔ ۱۴۰۱ء)۔(۳۲)

علامہ ابن الملقن حافظ ابن حجر کے قدرداں اور معترف تھے۔انہوں نے اپنی کتاب: **غاية السول في خصائص الرسول** (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حافظ کی تالیف: **کتاب الصبر** کے حوالہ سے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔لکھا ہے:

قلت وفی آخر کتاب الصبر [یعنی الحافظ] بخطه مانصه۔۔(۳۳)

یعنی حافظ ابن حجر کی تالیف کتاب الصبر کا نسخہ علامہ ابن الملقن کے پاس تھا اور وہ اپنے ایک کم عمر شاگرد کی تصنیف کو اس مرتبہ کا سمجھتے تھے کہ اس سے اخذ واستدلال کرتے تھے۔

(۳) الابناسی: ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب بن الابناسی، برہان الدین، ابومحمد، نزیل قاہرہ۔ (ولادت: شوال ۷۲۵ھ۔ ۲۵۔ ۱۳۲۴ء وفات: محرم الحرام ۸۰۲ھ۔ ۱۳۹۹ء)

استاذ اصول: حافظ نے اصول فقہ کی مختلف کتابیں جن استادوں سے پڑھیں، ان میں سب سے ممتاز اور ماہر فن شخصیت، علامہ عزالدین بن جماعہ، محمد بن ابی بکر، عبدالعزیز الشافعی (۳۴) (ولادت: ۷۴۹ھ/ ۱۳۴۸ء۔ وفات: ربیع الاخر ۸۱۹ھ۔/ ۱۴۱۶ء) کی تھی۔

اساتذۂ عربیت: حدیث ہو یا فقہ، تفسیر، تاریخ وادب ہو یا اور اسلامی، دینی، علمی، عقلی موضوعات ومباحث۔عربی زبان اور ادب ولغت میں مہارت کے بغیر کاملیت کا حصول ممکن نہیں۔حافظ کو اس دولت کے حصول کے لیے بہترین اساتذہ ملے اور وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔الغماری: محمد بن محمد بن علی، بن عبدالرزاق، الغماری، المصری، المالکی ولادت: ۷۲۰ھ۔ (۱۳۲۰ء) وفات: ۸۰۲ھ۔(۱۴۰۰-۱ء) جو شواہد ولغات کے استحضار میں بے نظیر تھے قرأت کا درس دیتے تھے اور قرأت کے آخری بڑے ائمہ میں شمار کیے جاتے تھے، کلام عرب کا بڑا حصہ نوک زبان پر تھا۔ادب فنون میں خاص اور متعلقہ مرتبہ کے علاوہ، اپنے دور میں قرأت کے درس میں بھی نادر و ممتاز تھے، الغماری کو فن قرأت کا گویا خاتم کہا جاتا تھا۔

www.shibliacademy.org

۲۔البشتکی: محمد بن ابراہیم بن محمد البشتکی ولادت: ۷۸۴ھ۔(۱۳۸۲ء) وفات: ۸۳۰ھ۔(۲۷-۱۴۲۶ء) اکثر علوم وفنون میں بڑا درجہ رکھتے تھے، شعروادب اور عروض میں وسیع نظر تھی۔ حافظ ابن حجر نے کئی سال علامہ بشتکی کی صحبت میں بسر کیے۔ دلچسپ یہ ہے کہ یہ علامہ بشتکی، جو حافظ کے خاص اور بہترین استادوں میں سے تھے، حافظ کے شاگرد بھی ہوئے۔ جب حافظ کی حدیث کی مہارت کا دنیا میں غلغلہ برپا ہوا اس وقت بشتکی نے حافظ سے حدیث پڑی، اس طرح وہ حافظ کے خاص استاد بھی ہیں اور خاص شاگرد بھی ہیں۔

۳۔فیروز آبادی: محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر مجد الدین، ابوطاہر، الفیروز آبادی، ولادت: ۷۲۹ھ۔(۱۳۲۹ء) وفات: ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) علامہ لغوی، مصنف قاموس، مجد الدین فیروز آبادی کا لغت میں امتیاز، فیروز آبادی کی زندگی میں بھی شہرۂ آفاق تھا۔ اسی شہرت کی وجہ سے حافظ ان کی خدمت میں پہنچے اور ان کے کمال علمی سے منورو مستفیض ہوئے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"اجتمعت به في زبيد وفي وادى الخصيب وناولني جلّ القاموس وأذن لى مع المناولة أن أرويه عنه، وقرأت عليه من حديثه عدة أجزاء، وسمعت منه المسلسل بالأولية بسماعه من السبكى، وكتب لى تقريظا على بعض تخريجاتي أبلغ فيه وأنشدني لنفسه في سنة ثماني مائة بزبيد"۔(۳۵)

حافظ نے ان کے علاوہ اور بھی متعدد علماء فضلاء کے علوم سے فائدہ اٹھایا، ان کی مجالس درس میں حاضر ہوئے، ان کے کمالات کے سمندر کو اپنے اندر سمونے کی پرزور اور نہایت کامیاب کوشش فرمائی۔ یہ استاذ ایسے جامع فنون اور متبحر تھے کہ ان کے فضل وکمال کا عَلَم، عِلم کی ہر ایک وادی پر لہراتا تھا اور ہر اک پرچم کی بلندی اور رنگ وآہنگ، ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ ان کی اسی جامعیت اور ہر ایک فن میں مہارت واختصاص کی وجہ سے، تذکرہ نگار اور مورخین، ایسے حضرات وعلماء کا تذکرہ، مختلف عنوانات کے تحت کرتے رہتے ہیں، کسی کا تذکرہ محدثین میں، کسی کا مفسرین میں، کسی کا مورخین میں، کسی کا اہل ادب ولغت میں اور کسی کا اور عنوان وموضوع کے تحت ہوتا رہتا ہے، ایسے انتخاب و ترتیب میں اختلاف ایک فطری بات ہے، جو ان حضرات کے علوے مرتبت اور کمال علم کو واضح کرتا

www.shibliacademy.org

ہے، مورخین کے فکری اختلاف سے، اس کا اکثر تعلق نہیں ہوتا۔

(باقی)

حواشی

(۱) اعلام السنن کے متعدد قلمی نسخوں کا کارل بروکلمان اور فواد سزگین نے تذکرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں:

(۱) تاریخ الادب العربی، کارل بروکلمان، عربی ترجمہ عبدالحلیم النجار، ص: ۱۶۷، ج: ۳ (الطبعة الرابعة دار المعارف، القاهرہ)

(۲) تاریخ التراث العربی فواد سزگین۔ نقله الی العربیہ، دکتور محمود فهمی حجازی، دکتور فهمی ابوالفضل ص: ۱۷۷، المجلد الاول۔ الهیئة المصریة العامة للکتاب، القاهرہ: ۱۹۷۷ء۔ طبع جامعة الامام محمد بن سعود، الاسلامیہ (الریاض) (۱۴۰۳ھ۔ ۱۹۸۳ء) ص: ۲۲۹۔ الجزء الاول، المجلد الاول۔

(۲) صحیح بخاری کی شروحات اور متعلقہ عنوانات ومباحث پر عصام عرار الحسینی کی پُراز معلومات تصنیف (اتحاف القاری بمعرفة جهود واعمال العلماء علی صحیح البخاری دار الیمامه دمشق ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ء) اور اردو میں شروحات صحیح بخاری کے تعارف پر مرتب مقالہ (شروح صحیح بخاری از غزالہ حامد۔ لاہور: ۱۹۹۱ء) سے، ہندو پاکستان میں صحیح بخاری کی شروحات اور اس کے متعلقات پر لکھی گئی دوسو سے زائد کتابوں کا علم ہوتا ہے، لیکن ہر دن نئے نئے علمی ذرائع، اہم کتابیں اور معلومات سامنے آرہی ہیں جس کی روشنی میں ان دونوں پر مکمل نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، کیا ہی اچھا ہوا گر دونوں کو، نئی معلومات کے اضافوں کے ساتھ شائع کیا جائے۔ (۳) الفوائد الدراری فی ترجمة الامام البخاری تحقیق نورالدین طالب دار النوادر کویت، ۱۴۳۱ھ۔ ۲۰۱۰ء، ص: ۱۷۸۔ (۴) جس میں علماء ہند، خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ (احمد بن عبدالرحیم الرحیمی الدہلوی) ولادت: ۱۱۱۴ھ (۱۷۰۲ء) وفات: ۱۱۷۶ھ۔ (۱۷۶۲ء) حضرت شاہ عبدالعزیز ولادت: ۱۱۵۹ھ۔ (۱۷۴۶ء) وفات: ۱۲۳۹ھ۔ (۱۸۲۴ء) مولانا الشیخ رشید احمد بن ہدایت احمد الجنجوہی، ولادت: ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۷ء) وفات: ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) شیخ الہند مولانا محمود حسن الدیوبندی شیخ الحدیث وصدر المدرسین بدار العلوم دیوبند ولادت: ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) وفات: ۱۳۲۹ھ (۱۹۲۰ء) علامہ محمد انور شاہ کشمیری ولادت: ۲۷/شوال ۱۲۹۲ھ۔ (۱۶/اکتوبر ۱۸۷۵ء)۔ وفات: ۲/صفر ۱۳۵۲ھ۔ (۱۹۳۳ء) اور شیخ محمد زکریا بن العلامة الشیخ محمد یحییٰ الکاندھلوی شیخ الحدیث، بمدرسة مظاہر علوم السہارنفور ولادت: ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۸ء) وفات: رجب ۱۴۰۲ھ (۱۹۸۲ء) وغیرہم صحیح

www.shibliacademy.org

بخاری کے مباحث پر وسیع نظر، غیر معمولی فہم گہرائی اور اخذ و مطالب میں بے نظیر اور ممتاز ہیں۔ خصوصاً تراجم ابواب میں پنہاں خاص اشارات اور صحیح بخاری کے مقاصد کی تعیین اور اس کی خصوصیات و امتیازات کی تعبیر میں ائمہ متقدمین سے فائق معلوم ہوتے ہیں۔ بفضل اللہ تعالیٰ یہ روایات ابھی زندہ و تابندہ ہیں، جن سے امید ہے کہ عنقریب ان مباحث کے متعدد نئے پہلو اور عنوانات سامنے آئیں گے اور پرانے مباحث کی معنویت اور توضیح و ترتیب میں ایک خاص اضافہ ہوگا۔ ان شاء اللہ! (۵) حافظ ابن حجر کے نسب میں ناموں کی صحیح ترتیب اور ان کے متعلقات پر دکتور شاکر محمود عبدالمنعم نے مفصل بحث کی ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: **ابن حجر العسقلانی مصنفاته و دراسة فی منهجه و موارده فی کتابه الاصابه** ص: ۴۶ تا ص: ۵۰ جلد: ۱ (مؤسسۃ الرسالۃ بیروت: ۱۴۲۴ھ)۔ (۶) دکتور شاکر محمود عبدالمنعم ۱/۵۱ و مقدمہ تغلیق التعلیق ۱/۵۷۔ (۷) ابوبکر بن علی بن احمد زکی الدین خروبی، ولادت: ۷۲۵ھ۔ ۱۳۲۵ء، وفات: ۷۸۷ھ۔ ۱۳۸۵ء مصر کے رئیس التجار اور بہت سخی و فیاض تھے۔ کئی بار حج کی سعادت سے مشرف ہوئے، مکہ میں قیام بھی کیا، اس دوران قرآن پاک حفظ کیا اور تجوید کی تعلیم حاصل کی۔ (مقدمہ تغلیق التعلیق ص: ۷۹)۔ (۸) شاکر محمود عبدالمنعم ص: ۶۴ / ج: ۱۔ (۹) حافظ ابن حجر کے دیوان کا ایک خوش خط نسخہ، جو حافظ کے قریبی دور میں نقل ہوا تھا، ہمارے خاندان کے علمی خزانہ میں موجود تھا، میں نے دیکھا تھا بعد میں فروخت ہوگیا، اب معلوم نہیں کہاں ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دیوان حافظ ابن حجر، سب سے پہلے ہندوستان سے شائع ہوا تھا۔ (۱۰) اس کتاب کی بیس جلدیں، علامہ سخاوی نے مکہ مکرمہ میں دیکھی تھیں۔ شاکر محمود عبدالمنعم، حاشیہ ص: ۸۱، ج: ۱۔ (۱۱) مقدمہ تغلیق التعلیق، **سعید عبدالرحمن موسی القزفی** ص: ۱۰۳، جلد اول (**المکتب الاسلامی**، دمشق ۱۴۰۵ھ۔ ۱۹۸۵ء) دکتور محمود شاکر عبدالمنعم نے ان میں سے کچھ ایسی کتابوں کے نام بھی نقل کیے ہیں، یہ کتابیں وہ ہیں، جو دو چار یا اس سے بھی زائد جلدوں پر مشتمل ہیں، فن حدیث سے دلچسپی رکھنے والے، ان کی ضخامت، صفحات اور معنویت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ان میں طبرانی کی **المعجم الاوسط**، ابن مندہ کی **کتاب المعرفة** دارقطنی کی سنن، **صحیح ابن خزیمه**، **صحیح ابن حبان**، **المختاره ضیاء مقدسی**، **الاستیعاب فی معرفة الاصحاب لابن عبدالبر** شامل تھیں۔ ملاحظہ ہو: **ابن حجر العسقلانی، مصنفاته و دراسة فی منهجه و موارده فی کتابه الاصابه** ص ۸۵ تا ۸۶، ج: ۱ (مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۳ء)۔ (۱۲) ان مقامات کا تعارف اور جغرافیائی محل وقوع جاننے کے لئے ملاحظہ ہو: مقدمہ **تغلیق التعلیق**، حاشیہ ص: ۱۰۰، جلد: ۱۔ (۱۳) عنوان الزمان ص: ۹۶ / ج ۱، بحوالہ مقدمہ تغلیق التعلیق ص: ۱۶۹۔ ج: ۱۔ (۱۴) شاکر محمود ص: ۵۴ / ۱۔ (۱۵) **عمدة الاحکام فی معالم الحلال**

www.shibliacademy.org

والحرام حافظ تقی الدین، ابومحمد عبدالغنی بن عبدالواحد، الجماعیلی، المقدسی، ثم الدمشقی، المتوفی بالقاهرة ۶۰۰ھ/ (۴-۱۲۰۳ء)۔ المجمع المؤسس المعجم المفهرس، للحافظ ص: ۱۲۲/۱ تحقیق محمد شکّور أمریر المیادینی (مؤسسۃ الرسالۃ بیروت: ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۶ء) شاکر محمود عبدالمنعم ص:۵۶/۱۔حافظ نے یہ کتاب ابن سکر حنفی (احمد بن علی بن محمد بن علی بن سکر السکری الغضائری) المتوفی ۸۸۶ھ (۱۴۸۱ء) سے پڑھی تھی۔ المعجم المفہرس ص: ۲۲-۱۲۱۔ (۱۶) فی الفقه الشافعی تالیف نجم الدین، عبدالغفار القزوینی الشافعی، المتوفی ۶۹۵ھ (۶۱-۱۲۶۰ء)۔ (۱۷) المجمع المؤسس ۲۲۳/۱۔ (۱۸) حافظ ابن حجر انباء الغمر میں ۷۹۹ھ کی وفیات میں لکھتے ہیں: "کان بینه وبین أبی مودة وصحبة فکان یزورنا بعد موت أبی وأنا صغیر، ثم اجتمعت به لما طلبت الحدیث فأکرمنی، وکان یدیم البشر علی القراءة إلی أن أخذت عنه أکثر مرویاته" ۳۷۴/۳ (دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء)۔ (۱۹) مقدمہ تغلیق التعلیق ۵۹/۱، نیز محمود شاکر ۸۰۱/۱۔ (۲۰) المجمع المؤسس ص: ۲۵۴ تا ۲۷۴۔ جلد اول (مؤسسۃ الرسالۃ بیروت:) (۲۱) انباء الغمر ص: ۱۷۲/ ج:۵ (دائرۃ المعارف، حیدرآباد: ہند۔ ۱۳۹۲ھ۔ ۱۹۷۲ء)۔ (۲۲) مقدمہ تغلیق التعلیق ص:۱۰۶۔۱۰۷ تحقیق سید عبدالرحمان موسیٰ القزفی اور شاکر محمود عبدالمنعم ص: ۹۵۔۹۶ دونوں محققین نے ان اساتذہ کا مختصر اور جامع تعارف کرایا ہے۔ القزفی نے التنوخی کا اور شاکر محمود نے دونوں کا، ان کے علاوہ بھی اکثر اساتذہ کا جامع فاضلانہ تعارف، اپنے اپنے موقعوں پر کیا ہے۔ (۲۳) مقدمہ تغلیق التعلیق ص: ۱۳۶ تا ص: ۱۴۱ جلد: ۱۔ (۲۴) شاکر محمود عبدالمنعم ص: ۹۷، جلد: ۱، ابن حجر نے انباء الغمر میں شیخ عراقی سے اپنے استفادہ کا اس طرح تذکرہ کیا ہے:

"لازمت شیخنا عشر سنین تخلل فی أثناءها رحلاتی إلی الشام وغیرها قرأت علیه کثیراً من المسانید والأجزاء، وبحثت علیه شرحه علی منظومته وغیر ذلک، وشهد لی بالحفظ فی کثیر من المواطن، وکتب لی ذلک مراراً، وسئل عند موته عمن بقی بعده من الحفاظ، فبدأبی وماثنی بولده"۔ انباء الغمر ۱۷۲/۵۔

(۲۵) المجمع المؤسس، ص: ۲۸۸، مقدمہ تغلیق التعلیق ص: ۱۴۱، تا ص: ۱۴۳ جلد: ۱۔ شاکر محمود ص: ۹۷، ۹۸ جلد: ۱، حافظ نے علامہ ہیثمی سے اپنے تلمذ واستفادہ کا، المعجم المؤسس کے علاوہ اور کتابوں میں بھی تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً انباء الغمر میں ہے:

"وکان یودنی کثیرا ویشهد لی بالتقدم فی الفنّ جزاه الله عنی خیراً، وکنت قد

www.shibliacademy.org

تتبعت أوهامه فی کتابه ”مجمع الزوائد“ فبلغنی أنّ ذلک شقّ علیه فترکته رعایةً له“۔ انباء الغمر ۵/۲۶۰۔

(۲۶) مقدمہ تغلیق، ص: ۱۴۳ تا ص: ۱۴۵ جلد: ۱۔ شاکر محمود عبدالمنعم نے حافظ کے ممتاز اساتذۂ حدیث کے تحت، البالسی کا ذکر نہیں کیا۔ (۲۷) مقدمہ تغلیق ص: ۱۴۵ تا ص: ۱۴۷، جلد: ۱۔ حافظ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”وقد قرأت علیه أکثر مسموعاته وسمعت علیه الصحیح ووصلت علیه بالإجازة شیئا کثیرا“ إنباء الغمر ۳/۴۰۸۔ (دائرۃ المعارف، حیدرآباد۔ ۱۳۸۹ھ۔ ۱۹۶۹ء)۔

(۲۸) المجمع المؤسس ص: ۳۳۳۔ مقدمه تغلیق التعلیق ۱۴۷، جلد: ۱۔ (۲۹) المجمع المؤسس للمعجم المفهرس ص: ۳۳۰ مقدمه تغلیق التعلیق ص: ۱۴۹، تا ۱۵۳۔ (۳۰) تفصیلی تعارف کے لیے ملاحظہ کیجیے: انباء الغمر لابن حجر ۲/۲۰۰ (دائرۃ المعارف، حیدرآباد: ۱۴۱۶ھ۔ ۱۹۹۵ء)۔ (۳۱) حافظ نے المخزومی سے حدیث کی سماعت واجازت کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:

”وقد سمعت منه وحدثنی من لفظه وهو أول حدیث سمعت بقراءته بمصر فی سنة ست وثمانین“ انباء الغمر (۸۶ھ) ۷/۱۵۷۔ (دائرۃ المعارف: حیدرآباد: ۱۳۹۴ھ۔ ۱۹۷۴ء)۔

(۳۲) المجمع المؤسس ص: ۳۰۱ مقدمه تغلیق التعلیق ص: ۱۰۹ تا ۱۱۶۔ شاکر محمود عبدالمنعم ص: ۹۹۔ (۳۳) المجمع المؤسس، ص: ۳۰۷۔ مقدمه تغلیق التعلیق ص: ۱۱۶، تا ص: ۱۲۲۔ ڈاکٹر شاکر محمود عبدالمنعم ۱/۹۹۔

(۳۴) غایة السول فی خصائص الرسول تحقیق عبداللہ بحر الدین عبداللہ۔ ص: ۲۸۴۔ دار البشائر الاسلامیہ (بیروت: ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۱ء)۔ (۳۵) حافظ کو ان سے جو تعلق تھا، اس کا اندازہ حافظ کی اس عبارت سے کیا جاسکتا ہے، لکھتے ہیں:

”لازمته من سنة تسعین إلی أن مات وکان یودنی کثیراً، ویشهد لی فی ۔۔۔ بالتقدم، ویتأدب معی إلی الغایة، مع مبالغتی فی تعظیمه، حتی کنت لا أسمیه فی غیبته إلاّ إمام الأئمة“۔ انباء الغمر ۷/۲۴۲۔ (دائرۃ المعارف: حیدرآباد: ۱۳۹۴ھ۔ ۱۹۷۴ء)۔

www.shibliacademy.org

مقالات

حافظ ابن حجر العسقلانی اور ان کا نادر نسخہ
''ہُدی الساری'' (نسخۂ کاندھلہ)

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

(۲)

حافظ کے ایک ہندوستانی استاذ: برصغیر کے مسلمانوں کے لئے یہ شرف وافتخار اور اعزاز کی بات ہے کہ حافظ کے ممتاز اور نمایاں استاذوں میں سے ایک استاذ، ہندی یا ہندی الاصل تھے، جن سے حافظ نے بہت کچھ پڑھا اور سیکھا ہے، یہ تھے:

شیخ ابو المعالی، عبداللہ بن عمر بن علی بن المبارک الازہری الحلاوی ہندی ولادت ۷۲۸ھ (۱۳۲۸ء) وفات ۸۰۷ھ (۱۴۰۴ء)۔ شیخ ابو المعالی کے نام کے ساتھ خود حافظ نے صرف ہندی لکھا ہے اور نسبت حلاوی کی بمهملة و لام حفيفة سے وضاحت بھی فرمادی ہے۔(۱)

شیخ ابو المعالی الحلاوی حافظ کے ان چار بڑے استاذوں میں شمار کیے جاتے ہیں، جن سے حافظ نے خاص استفادہ کیا۔ حافظ نے المجمع المؤسس میں ان تمام کتابوں اور سندوں کا جو شیخ الحلاوی سے پڑھی ہیں۔ تفصیل سے ذکر کیا ہے، شیخ کی محفل میں پڑھی اور سنی ہوئی کتابوں کی یہ فہرست المعجم المؤسس کے مطبوعہ نسخہ میں پچیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، جس سے حافظ کے علمی مقام اور حدیث میں وسعت نظر اور ان کی تصانیف کے بڑے خزانہ پر الحلاوی الہندی کے اثرات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔(۲)

عہدہ اور منصب: حافظ عہدہ اور منصب کے کبھی خواہش مند نہیں رہے، اس لیے جب قاضی صدر المناوی نے حافظ کو نائب قاضی اور اپنا قائم مقام بنانا چاہا تو حافظ نے اس کو قبول نہیں کیا، مگر

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، مولویان، کاندھلہ، شاملی (مظفر نگر) یوپی۔ Email:nhrashidkandhlavi@yahoo.com

www.shibliacademy.org

اس کے بعد جب حاکمان وقت نے اصرار کیا اور دباؤ ڈالا تو مجبوراً عہدۂ قضاۃ قبول کر لینے کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ چھ مرتبہ قاضی بنائے گئے، سب سے پہلے ۲۶ محرم الحرام ۸۲۷ھ (دسمبر ۱۴۲۳ء) میں جب قاضی علم الدین بلقینی (۷۹۱ھ۔۸۹-۸۸ ۱۳۸۸ء/ ۸۶۹ھ۔۶۵-۱۴۶۴ء) کو عہدہ سے معزول کیا گیا تو ان کی جگہ حافظ کو قاضی مقرر کیا گیا، اس کے بعد وقفہ وقفہ سے کئی مرتبہ اس کے لیے منتخب کیے گئے۔ (۳) مگر اس عہدہ سے دل بستگی نہ ہونے اور اس سے کسی طرح کے دنیاوی فائدہ حاصل نہ کرنے کے فیصلہ کی وجہ سے اس سے علاحدہ بھی ہوتے رہے۔ (۴)

وہ کل اکیس سال چند مہینے قاضی رہے، وفات سے چھ مہینے قبل آخری چھٹی مرتبہ منصب قضا کو ترک کیا۔ ارادہ یہ تھا کہ آیندہ کبھی اس خدمت و منصب کو قبول نہیں کریں گے اور یکسوئی سے تصنیف و تالیف درس وافادہ میں مشغول رہیں گے، مگر اجل نے اس کے بعد زیادہ مہلت نہ دی، آخری مرتبہ عہدۂ قضا سے علاحدگی ۲۵/ جمادی الاخریٰ ۸۵۲ھ (اگست ۱۴۴۸ء) کے بعد اپنے گھر میں تصنیف و تحریر کے لیے فارغ ہو کر بیٹھے تھے، لیکن اسی سال کے آخر میں ذی الحجہ ۸۵۲ھ (فروری ۱۴۴۹ء) میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

سفر حج: حافظ ابن حجر کو زیارت حرمین کا سب سے پہلا موقع اور سفر حج کی پہلی سعادت اس وقت نصیب ہوئی تھی، جب وہ قریب بارہ سال کے تھے۔ یہ سفر ۷۸۵ھ (فروری ۱۳۸۳ء) میں حافظ کے ولی اور مربی شیخ زکی الخروبی کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بھی حافظ نے اپنے والد اور ولی شیخ خروبی کے ساتھ مکہ مکرمہ کے کئی سفر کیے۔

ذی الحجہ ۸۰۰ھ (اگست ۱۳۹۸ء) میں حج اسلام (؟) کیا، پھر ۸۰۵ھ (۱۴۰۳ء) میں حج کا موقع ملا، مگر سخاوی کہتے ہیں کہ یہ حج، ۸۰۶ھ (۱۴۰۴ء) میں ہوا تھا، اس کے بعد ۸۱۵ھ (۱۴۱۳ء) میں اور پھر ۸۲۴ھ (۲۱-۱۴۲۰ء) میں بھی حج کیا، یہ آخری سفر حج تھا۔

یہ تمام سفر حافظ کے لیے حقیقی معنوں میں علمی کامیابیوں، بڑے علماء، اساتذۂ محدثین اور مشائخ کبار کی ملاقاتوں، صحبتوں اور ان سے اخذ و اجازت کے لحاظ سے وسیلہ ظفر ثابت ہوئے۔ یعنی ہر سفر حافظ کے مراتب و کمالات میں اضافہ کا ذریعہ، علوم و اجازات پر نظر اور اعلیٰ کتابوں کی قرات و سماعات کے لیے بہترین موقع اور بلند سے بلند پرواز کا میدان بنا۔

www.shibliacademy.org

ازواج واولاد: حافظ ابن حجر کا نکاح تقریباً پچیس سال کی عمر میں قاضی کریم الدین بن عبدالعزیز کی بیٹی (انس) سے ۷۹۷ھ (۹۵-۱۳۹۴ء) میں ہوا تھا، انس فاضل خاتون تھیں، اپنی لیاقت اور علمی ذوق کی وجہ سے حافظ کی علمی خدمات ومعاملات میں مددگار ومعاون ثابت ہوئیں، محترمہ نے حافظ کے استاد شیخ عبدالرحیم عراقی سے المسلسل بالاولیۃ پڑھی، حافظ نے ان کے لیے متعدد ائمہ اور علمائے محدثین سے اجازتیں اور سندیں حاصل کیں تھیں۔(۵)

حافظ نے ایک اور نکاح لیلیٰ بنت محمود بن طوعان الحلبیہ سے ۸۳۶ھ (۳۳-۱۴۳۲ء) میں حلب میں کیا تھا، یہ حسن ظاہر وباطن اور فہم ودانش میں ممتاز تھیں۔ لیلیٰ حافظ کی حقیقی مونس وغمگسار تھیں، اس وجہ سے بھی اور اپنے کمالات خلقی و خُلقی کے سبب بھی۔ حافظ کو ان سے بہت ہی شیفتگی اور محبت تھی، حافظ نے ان کی خوبیوں کا بڑی محبت سے تذکرہ کیا ہے اور ان کی تعریف میں اشعار کہے ہیں۔

حافظ کی کل چھ اولادیں تھیں، ایک فرزند پانچ لڑکیاں: زین خاتون، فرحت، عالیہ، رابعہ، فاطمہ۔ فرزند بدرالدین محمد تھے۔ حافظ ان کی آسائش، تعلیم وتربیت اور بہتر زندگی کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ حافظ کے خاندان کی بعض خواتین اور دختران بھی باکمال اور ذی علم تھیں، لیکن فرزند بدرالدین محمد، والد کی بھرپور توجہ، بے انتہا محبت ورہنمائی کے باوجود، باپ کے علمی مرتبے کو نہ پاسکے۔ بلکہ سخاوی کی اطلاع کے مطابق بدرالدین محمد نے حافظ کے علمی ذخیرہ اور تصانیف وغیرہ کے محفوظ کرنے کا بھی کچھ اہتمام نہیں کیا۔ حافظ کی تصانیف کے مسودات اور حافظ کا کتب خانہ بدرالدین محمد کی زندگی ہی میں ضائع اور منتشر ہوگیا تھا۔ و کان امر اللہ قدرا مقدورا۔

وفات: شیخ الاسلام والمحدثین حافظ ابن حجر نے علم وعمل، علوم اسلامیہ خصوصاً حدیث وفقہ کی خدمت، درس وافادہ، تحریر وتصنیف، عہدہ ومنصب، عزت وشہرت، ہر طرح سے نہایت اعلیٰ، کامیاب اور بھرپور زندگی گزاری۔ حافظ دینی خدمات اور علمی کاموں میں مشغول تھے کہ ذی القعدہ ۸۵۲ھ (جنوری ۱۴۴۸ء) میں بیمار ہوئے، بیماری کے باوجود اپنے تمام معمولات جاری رکھے۔ ۲۵ ذیقعدہ کے بعد بیماری بڑھ گئی، درس وافادہ کی طاقت نہیں رہی، یہاں تک کہ عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے بھی جانے کی ہمت وقوت نہ تھی، عمدہ علاج کے باوجود صحت نہ ہوئی اور اسی ذی الحجہ کے مہینہ میں لیلۃ السبت ۸۵۲ھ (۱۴۴۸ء) میں دنیا کا یہ نادر روزگار عالم ومحدث، عالم آخرت کے سفر پر روانہ ہوگیا، وفات کی

www.shibliacademy.org

صحیح تاریخ میں اہل تذکرہ کا اختلاف ہے کہ یہ لیلۃ السبت ۱۹رذی الحجہ تھی یا ۲۸رذی الحجہ، مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ۸۵۲ھ اور ذی الحجہ کا مہینہ تھا۔(۶)

جنازہ میں پچاس ہزار سے زائد افراد نماز جنازہ میں شریک تھے۔ جنازہ پر بادل تھے اور ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

علامہ عبدالحی کتانی (مولف فہرس الفہارس وغیرہ) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کتانی کے دور تک (۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء) حافظ کے مدفن پر بڑی وسیع عمارت موجود تھی۔ کتانی اپنا مشاہدہ لکھتے ہیں:

"وزرت قبره وعليه بناء ضخم"(۷)

دکتور شاکر عبدالمنعم نے لکھا کہ حافظ کا مزار حضرت امام شافعیؒ کے مدفن سے تقریباً ایک ہزار پانچ سو(۱۵۰۰) میٹر کے فاصلہ پر ہے اور اسی کے قریب صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عقبہ بن عامرؓ کا مزار بھی ہے۔

دکتور شاکر محمود عبدالمنعم نے حافظ کے مزار کا مشاہدہ تفصیل سے لکھا ہے، حافظ کی قبر کے کتبہ کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں، جو یہ ہیں:

وهذا قبر احمد بن علی بن حجر العسقلانی۔(۸)

هيهات لايأتى الزمان بمثله ان الزمان بمثله لبخيل

افسوس ہے کہ اب اس محدث جلیل کا مدفن گم نام ہے، مقامی لوگ بھی اس کے متعلق کم جانتے ہیں اور اس کی ایسی کوئی پہچان بھی نہیں کہ فاتحہ پڑھنے کے لیے آنے والے آسانی سے وہاں پہنچ جائیں۔

ہندو پاکستان کے عہد حاضر کے ایک بڑے ممتاز عالم، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بھی وہاں پہنچے تھے، لیکن حافظ کی مسجد تک پہنچ کر رہ گئے، حافظ کے مدفن کا مقامی لوگوں سے بھی پتہ نہ ملا، حالانکہ مولانا محمد تقی عثمانی کی رہنمائی، شام کے مشہور عالم ڈاکٹر حسن الشافعی کر رہے تھے، جو اس دیار میں کئی

www.shibliacademy.org

مرتبہ آ چکے تھے۔

مولانا تقی عثمانی اگرچہ حافظ ابن حجر کے مدفن تک نہیں پہنچ سکے، لیکن انہوں نے حافظ کی اس مسجد میں حاضری دی، جس میں حافظ نماز پڑھتے اور درس دیتے تھے، یہ مسجد آج تک حافظ ابن حجر کے نام سے متعارف ہے۔ مولانا نے اپنے سفر نامہ میں اس کا مختصر تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ازہر سے فارغ ہوئے تو نماز ظہر میں کچھ وقت باقی تھا، میں نے اپنے رہنما ڈاکٹر حسن الشافعی سے بہت پہلے کہہ رکھا تھا کہ میں، حافظ ابن حجرؒ کے مزار پر بھی حاضر ہونا چاہتا ہوں، ڈاکٹر صاحب نے کہا، نماز انہیں کی مسجد میں ادا کرلی جائے۔ چنانچہ ازہر سے نکل کر ہم جامع الحسین (۹) کے سامنے کچھ تنگ و تاریک گلیوں سے ہوتے ہوئے ایک طویل سڑک پر آ گئے، جو جامع الحاکم پر جا کر ختم ہوئی ہے۔ یہ بھی پرانے قاہرہ کی سڑک ہے جو اس وقت تو شاہراہ رہی ہوگی، لیکن اب بہت تنگ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے دونوں طرف قدیم طرز کا بازار چلا گیا ہے۔ تقریباً ایک ڈیڑھ کلومیٹر چلنے کے بعد، بائیں ہاتھ پر ایک طویل گلی تھی، ڈاکٹر حسن الشافعی خود ایک عرصہ کے بعد یہاں آئے تھے، اس لیے انہیں بہت سے لوگوں سے پتہ پوچھنا پڑا۔ بالآخر اس گلی کے آخر سرے کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد نظر آئی، یہ ''مسجد الحافظ ابن حجر'' تھی۔ پہلے ڈاکٹر شافعی کا خیال یہ تھا کہ حافظ ابن حجرؒ کا مزار اسی مسجد میں واقع ہے، لیکن وہاں کوئی مزار نہیں تھا۔ مسجد کے خدام نے بتایا کہ ان کا مزار یہاں نہیں ہے، لیکن یہ مسجد انہی کی ہے، جس میں وہ نماز بھی پڑھتے تھے اور درس بھی دیتے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کا مزار قرافہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے سامنے واقع ہے، جہاں ہم کل ہو آئے تھے۔ زمانۂ حال میں حافظ ابن حجرؒ کے ایک تذکرہ نگار ڈاکٹر شاکر محمود عبدالمنعم لکھتے ہیں:

''حافظ ابن حجر کا مزار سید عسل کے قرافہ کے پیچھے واقع ہے، اس کے بالمقابل حضرت عقبہ ابن عامرؓ کا مزار ہے، افسوس ہے کہ یہ قبر بے توجہی کا شکار ہے۔ یہ ایک چھوٹے سے کمرے میں واقع ہے، جو مستطیل شکل میں ہے اور زمین سے قدرے بلند ہے، اس کے چاروں گوشوں پر چار بلند ستون ہیں، جن کی شکل اوپر جا کر مخروطی ہوگئی ہے، قبر کے سرہانے ایک دھندلا سا کتبہ ہے، جس پر یہ عبارت میں پڑھ سکا:

''هذا قبر احمد بن علی بن حجر العسقلانی'' (۱۰)

www.shibliacademy.org

بہرکیف! اس مزار پر تو حاضری نہیں ہوسکی، لیکن اس مسجد میں نماز ظہر پڑھنے کا موقع ملا۔ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو اس وقت خستہ حال ہے، لیکن اب اس کی مرمت ہو رہی ہے، جس مسجد کو حافظ ابن حجرؒ جیسے علم کے دریائے ناپیدا کنار نے، اپنی فیض رسانی کا مرکز بنایا ہو، اپنے عہد شباب میں وہاں تشنگان علم کے ازدحام کا کیا عالم ہوگا حافظ ابن حجر کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مکان بھی اسی محلے میں، کہیں آس پاس تھا۔ (۱۱)

تصانیف و مولفات: علوم وفنون میں غیر معمولی وسعت نظر، مباحث و اصول میں مہارت استحضار اور زبان و تحریر پر خاص قدرت کا تقاضہ، بلکہ حق تھا کہ حافظ تحریر و تالیف پر پوری پوری توجہ فرمائیں اور دنیا کو اپنے علوم سے مالا مال کردیں۔

حافظ ابن حجر نے اوائل عمر سے تصنیف و تالیف پر توجہ فرمائی، اگرچہ اساتذہ کے افادات اور محدثین کے اسباق و روایات جمع کرنے کا عمل زمانہ تعلیم سے جاری ہوجاتا ہے، مگر اس کو باضابطہ تصنیف و تالیف میں شمار نہیں کیا جاتا، اس لیے حافظ کے ابتدائی افادات اور درس کے امالی بھی جو بعد میں معروف ہوئے، تالیفات و تصنیفات کی فہرست میں شامل نہیں کیے گئے۔

ان کی تصنیف و تحریر کا غالباً ۷۹۵ھ (۱۳۹۲ء) میں آغاز ہوا (۱۲)، حافظ کے عزیزترین شاگرد اور علمی کمالات میں جانشیں علامہ سخاوی نے حافظ کی تصانیف و مولفات کی جو فہرست مرتب فرمائی ہے، اس میں سب سے پہلا نام مختصر تلبیس ابلیس ابن جوزی کا ہے۔ حافظ نے لکھا ہے کہ اس کی تلخیص سے وہ ۷۹۵ھ (۱۳۹۲ء) میں فارغ ہوئے، اسی طرح ایک اور کتاب مقدمۃ فی العروض ہے۔

مختصر تلبیس ابلیس ابن جوزی اور مقدمہ فی العروض، یہ دونوں ۷۹۵ھ (۱۳۹۲ء) کی یادگار ہیں، اس کے بعد القزفی اور دکتور شاکر محمود دونوں کی تصنیف و تحقیق میں "**المائة العشارية**" کا تذکرہ ملتا ہے، جو ۷۹۷ھ (۱۳۹۴ء) میں مرتب ہوئی تھی، مگر ان دونوں نے علوم و ادب و لغت کے تحت حافظ کے ابتدائی دور کی سب سے طویل و ضخیم کتاب: "**مسامر الساهر و مساهر السامر**" کا اہمیت سے ذکر کیا ہے۔ **مسامر الساهر** عربی شعراء کا انتخاب تھا، جو چالیس جلدوں پر مشتمل تھا، حافظ کے قلم سے، اس کا ایک مکمل نسخہ، الملک الاشرف حاکم یمن کو ہدیہ کیا گیا تھا، اس کی بعض جلدوں پر تالیف و تحریر کا سن ۷۹۴ھ (۹۲-۱۳۹۱ء) اور بعض پر ۷۹۵ھ (۹۳-۱۳۹۲ء) لکھا ہوا تھا، اس کی چند جلدیں

www.shibliacademy.org

علامہ سخاوی نے مکہ مکرمہ میں دیکھی تھیں۔(۱۳)

اس کے بعد حافظ کا قلم جو رواں ہوا تو اس شان سے کہ اس سفر میں ان کے دور میں اور ان کے بعد بھی، تمام عالم اسلام میں سے کوئی بھی مجموعی طور پر حافظ کا ہم پایہ اور مقابل نہیں رہا۔ اسی وجہ سے علامہ تاج الدین الغرابیلی کی اس بات سے اختلاف کی غالباً گنجائش نہیں ہے کہ:

"انه ما رأى مثله و لا رأى هو مثل نفسه و انه ما دخل الیٰ دمشق بعد ابن عساکر اجل منه ولا مثله"۔(۱۴)

حافظ کی تصانیف وجود میں آنی شروع ہوئیں جو جملہ علماء اور محدثین کرام کے لیے علم و بحث و استدلال اور تنقید و تحقیق کا ایسا بے نظیر اور لازوال سرمایہ ہیں، جس کی کامل تعریف و توصیف ممکن ہی نہیں۔

نہ حسنش غایتے دارد، نہ سعدی را سخن پایاں

علم حدیث میں روایت و درایت حدیث، رجال اور متعلقات حدیث، مباحث اختلافات اور ان میں قول فیصل، ہر ایک کے لیے حافظ ابن حجر سے کتابوں کی تصانیف سے رجوع کرنا ضروری ہو گیا۔

ان کی تصانیف و مولفات کی فہرست طویل بھی ہے اور وقیع اور باوزن بھی، ان میں وہ کتابیں بھی ہیں جو بالکل مکمل ہیں، وہ بھی ہیں جو نظر ثانی کی منزل میں تھیں، تسوید مکمل نہیں ہوئی تھی۔ حافظ کی تصانیف و مولفات کی کل کیا تعداد ہے، اس میں قدیم تذکرہ نگاروں کی تحریروں میں اختلاف ہے، کسی نے سو کسی نے ڈیڑھ سو یا کم زائد تصنیفات کی بات کی ہے۔ جامع ترین مفصل فہرست جو ان کتابوں اور تصنیفات کے نسخوں کی بھی بڑی حد تک نشاندہی کرتی ہے، دکتور شاکر محمود عبدالمنعم نے مرتب کی ہے، اس فہرست میں حافظ کی تین سو بیس کتب و مولفات کے نام شامل ہیں، جس میں دو سو بیاسی حافظ کی معلوم و محقق تصانیف و کتب ہیں، اڑتیس کتابیں ایسی ہیں جو حافظ سے منسوب کی جاتی ہیں، مگر یہ تحقیق طلب ہیں۔(۱۵)

سب سے بڑا ذخیرہ، حدیث کی کتابوں خصوصاً صحیح بخاری کی تصحیح اور شروحات و متعلقات کا ہے۔ حافظ کی صحیح بخاری کے حوالہ سے چار تصانیف ہیں: تغلیق التعلیق، ہدی الساری، شرح کبیر صحیح بخاری اور فتح الباری، چاروں میں پہلی تصنیف تغلیق التعلیق ہے۔ تغلیق التعلیق کا تعارف کراتے

www.shibliacademy.org

ہوئے اس کے محقق شیخ عبدالرحمان موسیٰ القزقی نے لکھا ہے:

''وهو كتاب كثير الفوائد، يشتمل على وصل التعاليق المرفوعة والآثار الموقوفة والمقطوعة، وما أشبه ذٰلك من قوله تابعه فلان ورواه فلان، الواقعة فی صحيح البخاری بأسانيده إلی من علق عنه ولم يفته من ذلک الا القليل۔ فجاء كتابا حافلاً جامعا كاملاً، لم يسبق إلی مثله، ولم يفرده احد بالتصنيف''۔ (۱۶)

اور دکتور شاکر محمود عبدالمنعم نے صراحت کی ہے:

''لم يسبق إلی مثل هذا التصنيف ولم يتعرض لشئ منه إلاّ فی النادر''

اور علامہ سخاوی کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ:

''وقف عليه أكابر شيوخه وشهدوا بأنه لم يسبق إليه، وكان عمله أن يسوق التعاليق المرفوعة والآثار الموقوفة فی الجامع الصحيح للبخاری ويشير إلی من وصلها بأسانيده هو إلی المكان المعلق، فخرج كتاباً حافلاً وجامعاً وكاملاً لم يفرده أحد بالتصنيف، ورافق ذلک جمع طرق الحديث ووصل منقطعه، وتعيين درجته واستعان به كثيراً فی الفتح، حيث قال، ''فإنه أغنی عن تعب كثير'' ولم يفته من وصل ذلک إلا القليل، وهو له معجزة''۔ (۱۷)

حافظ اپنی تصانیف میں سے، چند کتابوں کو ممتاز اور حاصل زندگی سمجھتے تھے، ان میں سے پہلی کتاب فتح الباری شرح صحیح البخاری ہے، اس کے بعد تغلیق التعلیق تھی۔ حافظ نے ہدی الساری میں ایک موقع پر تغلیق التعلیق کا تذکرہ کیا ہے، جس سے تغلیق التعلیق کی اہمیت وانفرادیت دونوں پر روشنی پڑتی ہے۔ صحیح بخاری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وليس فيه من المتون التی لم تخرج فی الكتاب ولو من طرق أخریٰ، إلاّ مائة وستون حديثا، قد أفردتها فی كتاب مفرد لطيف، متصل الأسانيد إلی من علق عنه، وجملة ما فيه من المتابعات والتنبيه علی اختلاف الروايات ۱۳۴۱ حديثاً فجميع ما فی الكتاب علی هذا بالمكرر تسعة آلاف واثنان وثمانون حديثا، وهذه العدة خارج عن الموقوفات علی الصحابة والمقطوعات عن التابعين فمن بعدهم، وقد

www.shibliacademy.org

استوعبت وصل جميع ذلك في كتاب۔ "تغليق التعليق" وهذا الذي حررته من عدة ما في صحيح البخاري تحرير بالغ فتح اللّٰه به، لا أعلم من تقدمني إليه"۔ (۱۸)

تغلیق التعلیق کے خلاصے: حافظ نے تغلیق التعلیق کا ایک خلاصہ بھی مرتب کیا تھا، جس کو "التشویق الی وصل المهم من التعلیق" کے نام سے موسوم کیا، پھر اس کا بھی ایک اور اختصار کیا، اس کا نام: "التوفیق الی وصل المهم من التعلیق" رکھا۔

صحیح بخاری کی شرح کبیر اور اس کا مقدمہ: تغلیق التعلیق کی تکمیل کے بعد حافظ نے صحیح بخاری کی ایک مبسوط اور طویل شرح لکھنی شروع کی، اس میں شرح کے مشتملات ومضامین کی وضاحت کے لیے ایک گراں بہا اور علوم ونکات سے مالا مال، ایسا عمدہ مقدمہ لکھا، جس کی دنیائے حدیث میں نہ اس سے پہلے کوئی مثال تھی نہ اس کے بعد ہوئی۔ اسی مقدمہ کا نام: هدى الساري إلى مطالب صحيح البخاري ہے۔

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "انتقاض الاعتراض" کی تمہید میں صحیح بخاری کے متعلق اپنی تمام تصانیف کا تذکرہ فرمایا ہے، جس سے ان سب کے متعلق ضروری صحیح معلومات مل جاتی ہیں، شرح کبیر صحیح بخاری کی تصدیق ہوتی ہے اور ہدی الساری اور فتح الباری کے سنین تالیف اور مدت تالیف، دونوں کا علم ہوجاتا ہے۔ حافظ نے تحریر فرمایا ہے:

فاني شرعت في شرح البخاري في سنة ثلاث عشرة وثمانمائة، بعد ان كنت خرجت باقية من الاحاديث المعلقة في كتاب سميته تغليق التعليق و كمل في سنة اربع وثمانمائة، ثم عملت مقدمة الشرح فكملت في سنة ثلاث عشرة المذكورة، ومن هناك ابتدأت في الشرح فكتبت منه قطعة، اطلت فيها التبيين ثم خشيت ان يعوق عن تكميله على تلك الصفة غايق، فابتدأت في شرح متوسط سميته فتح الباري بشرح البخاري۔ (۱۹)

محدث وفقیہ شاہ عبدالعزیز (بن الشاہ ولی اللہ) نے اپنی کتاب بستان المحدثین میں لکھا ہے:

وشرح دیگر ہم بر بخاری دارد، کلاں تر از فتح الباری، مسمی بہ ہدی الساری، ومختصر	اور بخاری پر دوسری شرح بھی ہے جو فتح الباری سے بڑی ہے، جس کا نام ہدی الساری ہے اور

www.shibliacademy.org

آں شرح نیز دارد و لیکن ایں ہر دو، باتمام — اس شرح کا ایک اختصار بھی ہے لیکن دونوں
نہ رسیدہ۔(۲۰) — پوری نہیں ہوئیں۔

ہدی الساری: ہدی الساری فہم صحیح بخاری کی کلید اور فتح الباری کے مقاصد و مباحث کا گویا ایک آئینہ ہے، ہدی الساری کے ذریعہ سے صحیح بخاری کی مشکلات کے حل ہونے اور مراد مصنف تک پہنچنے کی ایک راہ نکل آئی ہے۔ ڈکتور شاکر محمود عبدالمنعم نے فتح الباری کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

”وتشتمل على جميع مقاصد الشرح سوى الاستنباط وتنقسم على عشرة فصول“۔(۲۱)

حافظ کے ایک اور سوانح نگار عبدالستار الشیخ نے ہدی الساری کے تعارف میں خوب لکھا ہے:

كتاب فذ لانظير له، ولا غنى لباحث عنه، تكلم فيه بكلام لم يسبق إليه وساق فيه فصولاً قيمةً فيها مباحث لايمكن ان تظفر في غيرها بها۔ وهو مفخرة له زاد شرحه للبخاري جلالاً وجمالاً۔(۲۲)

شروحات صحیح بخاری کے ایک وسیع النظر محقق عصام عرار الحسینی نے ہدی الساری کا تذکرہ نہایت عمدہ اور وقیع الفاظ میں اس کا تعارف کرایا ہے، لکھا ہے کہ:

”هدي الساري لمقدمة فتح الباري، وشهرتها وانفرادها بما اشتملت عليه من الفوائد الحديثية، والنكات الأدبية، والفرائد الفقهية تغني عن الوصف، سيما وقد امتازت بجمع طرق الحديث التي ربما يتبين من بعضها، ترجيح أحد الاحتمالات شرحاً واعراباً، وطريقته في الأحاديث المكررة أنه يشرح في كل موضع ما يتعلق بمقصد البخاري يذكره فيه، ويحيل بباقي شرحه على المكان المشروح فيه، وكذا ربما يقع له ترجيح أحد الأوجه في الاعراب أو غيره من الاحتمالات أو الأقوال في موضع، وفي موضع آخر غيره، الى غير ذلك مما لا طعن عليه بسببه، بل هذا أمر لاينفک عنه أحد من الأئمة“۔ (۲۳)

اور تغلیق التعلیق کے محقق نے ہدی الساری کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:

”والكتاب مقدمة جليلة الشان، عظيمة الأثر، قد كتبت في عشرة فصول،

www.shibliacademy.org

تتمۃ لکتاب شرحہ الکبیر"۔ (۲۴)

حضرت مصنف حافظ ابن حجر نے ہدی الساری کا اس طرح تعارف کرایا ہے، جس میں اس کے مندرجات کا عطر سمٹ آیا ہے۔

حافظ نے سب سے پہلے یہ بتایا ہے کہ علوم اسلامیہ شرعیہ کی اصل اصول قرآن کریم اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہیں اور سیرت و سنت نبوی کی سب سے اعلیٰ ترجمانی صحیح بخاری میں کی گئی ہے، اس لیے میں نے صحیح بخاری کے فوائد کی وضاحت، اس کے مقاصد کی تشریح، اس کے مشکلات کے حل کے لیے کوشش کی ہے، جس سے اس کے مقدمات مرتب، اس کے فوائد واضح متعین ہوجائیں اور اس سے بہت زیادہ محنت کے بغیر زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جاسکے اور میری اس وضاحت و تالیف سے صحیح بخاری پڑھنے کے متمنی اصحاب کے دل، مقاصد صحیح بخاری کی تفہیم اور مطالب صحیح بخاری کی رسائی کے لیے کھل جائیں۔

حافظ نے ہدی الساری کے مشمولات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں اس کتاب میں دس بحثیں کروں گا:

ان میں سبب تصنیف، موضوع، تقطیع احادیث کی حکمت، معلقہ احادیث و آثار موقوفہ کی موجودگی، متون میں واقع غریب احادیث، مشکل اسماء، کنیتوں، انساب، مہمل انساب کے شیوخ، دارقطنی وغیرہ محدثین کے نقد، مطعون اسماء اور باب در باب کتاب کی فہرست وغیرہ کا ذکر ہے۔ (۲۵)

ہدی الساری اپنی جامعیت کے لحاظ سے ایک گراں بہا علمی تحفہ بن گئی۔ اس کی نقلوں اور درس و اجازات کا بہت اہتمام ہوا، یوں یہ کتاب مشرق و مغرب میں پھیلتی چلی گئی۔

حافظ کی ایک اور تالیف "ہدایۃ الساری فی سیرۃ الامام البخاری": حافظ کی تصانیف کی فہرست میں ہدی الساری کے نام سے ملتا جلتا ایک اور نام "ہدایۃ الساری" بھی ہے۔ یہ حافظ ابن حجر کی ایک نسبتاً غیر متعارف تصنیف ہے جو امام بخاری کے احوال و مناقب پر لکھی گئی، اس کا پورا نام "ہدایۃ الساری فی سیرۃ الامام البخاری" ہے۔ اس میں امام بخاری کے احوال پر امام محمد بن حاتم رازی کی وراق تالیف "شمائل الامام البخاری" کی تلخیص کی گئی ہے کتاب کے آغاز پر ابن ابی حاتم رازی کی اس کتاب کی سند بھی ہے۔ لکھا ہے کہ:

www.shibliacademy.org

فهذه نبذة من اخبار الامام، ابي عبدالله البخاري منبهة على قدره وتفخيم على أمره، وان كان أمره شهيراً وقدره اثيرا، لكن في التفصيل ماليس في المجمل، فقد أوردتها مختصرة الاسناد غالباً، وكثيرا ما أوردته فمن كتاب شمائل البخاري، تاليف وراقة الامام أبي جعفر محمد بن أبي حاتم الرازي۔

وقد أخبرني بجميعه، ابو محمد عبدالله بن محمد المكي، اذناً مشافهةً عن عبدالعزيز بن بلخا۔

اس رسالہ یا تالیف کا، حافظ کے ان الفاظ پر اختتام ہوا ہے:

علقها جامعها محمد بن علي بن العسقلاني، وكان تاريخها وتبييضها في الجمعه الثالث شهر رمضان، سنة خمسين وثمانمائة۔ والحمد لله الذي هدانا لهذا، وصلى الله على سيدنا محمد وآله وسلم وحسبنا الله وكفىٰ۔

مگر حافظ نے اس سلسلۂ اجازت اور شیخ عبداللہ بن محمد مکی کا اپنی فہرست مشائخ واجازات: المعجم المفهرس میں تذکرہ نہیں کیا۔

ہدایۃ الساری اور ہدی الساری کے ناموں کی مشابہت کی وجہ سے کئی اہل علم کو مغالطہ ہوا ہے، انہوں نے دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔(۲۹)

ہدایۃ الساری کا ایک قدیم، عمدہ خطی نسخہ حبیب گنج کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یوپی، انڈیا) میں محفوظ ہے، اس پر کاتب کا نام، سنہ کتابت یا کوئی اور ایسی علامت موجود نہیں، جس سے اس کے زمانۂ کتابت کا علم ہوتا ہو۔ اندازاً تین سو سال پرانا نسخہ ہے، چھوٹے سائز کے پچیس اوراق پر مشتمل ہے، عموماً فی صفحہ اکیس سطور ہیں، خط نستعلیق ہے۔

مطبوعہ ہدایۃ الساری کو حسنین سلمان مہدی نے ایک خطی نسخہ سے مرتب کیا ہے۔ جو دارالبشائر الاسلامیہ سے چھپا ہے۔ مرتب کی صراحت کے مطابق اس تصحیح متن کے لیے جس نسخہ پر اعتماد کیا گیا ہے، اس کو مصنف (حافظ ابن حجر) کے شاگرد صدرالدین احمد بن محمد بن عبداللہ بن احمد بن عبدالمحسن الکتانی الزختاوی الشافعی نے مصنف کے نسخہ سے نقل کیا تھا، ۹؍ربیع الاول ۸۹۵ھ (جنوری ۱۴۹۰ء) میں اس کی نقل و کتابت مکمل ہوئی تھی۔

www.shibliacademy.org

مگر اس کے ساتھ ہی فاضل مرتب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اصل نسخہ میں سقطات، تحریفات اور فروگذاشتیں وغیرہ فنی کمزوریاں تھیں، جن کو محقق نے درست کر دیا ہے۔ اگر استاذ حسنین مہدی کے پیش نظر نسخہ مولف کی نقل یا مصنف کے کسی شاگرد کے قلم کا نسخہ ہے، تو اس کی نقل میں سبقت قلم یا بعض فروگذاشتوں کا رہ جانا ممکن ہے، مگر تصحیف و تحریف اور سقطات کی بات قابل قبول معلوم نہیں ہوتی۔ نسخہ علی گڑھ اگرچہ تحریر و کتابت میں مصنف سے، کچھ نسبت نہیں رکھتا، مگر نسخہ صاف ستھرا ہے اور سقطات و تحریفات سے بظاہر، بڑی حد تک پاک ہے۔

ہدی الساری حافظ ابن حجر کی بخاری کی بڑی شرح کا مقدمہ ہے: ہدی الساری کے حوالہ سے ایک بڑی غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ یہ فتح الباری کا مقدمہ ہے، مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ اس کی وضاحت خود حافظ ابن حجر کے قلم سے آ چکی ہے کہ یہ کتاب یا مقدمہ، صحیح بخاری کی اس بڑی شرح کے مقاصد کی تکمیل کے لیے لکھا گیا تھا، جس کی تصنیف کا انھوں نے فتح الباری کی تصنیف سے بہت پہلے ارادہ کیا تھا اور اس سے پہلے تغلیق التعلیق کا بہترین خلاصہ اور گویا عطر، اس مقدمہ میں لے لیا تھا، اس کے بعد مفصل شرح کی تحریر و تالیف پر متوجہ ہوئے تھے، مگر ابھی اس بڑے کام کا تھوڑا سا ہی حصہ وجود میں آیا تھا کہ حافظ کی رائے تبدیل ہو گئی اور انھوں نے فتح الباری کی شرح متوسط کا کام شروع کر دیا۔(۲۷)

حافظ نے شرح کبیر اور مقدمہ شرح کبیر صحیح بخاری دونوں کی ابتدا ۸۱۳ھ (۱۱-۱۴۱۰ھ) میں کی اور اسی سال ۸۱۳ھ میں وہ اس کی تحریر سے فارغ ہو گئے۔ لکھا کہ:

"فانی شرعت فی شرح البخاری، في سنة ثلاث عشرة وثمانمائة، بعد ان كنت خرجت باقية من الاحاديث المعلقة في كتاب، سميته تغليق التعليق، وكمل في سنة اربع وثمانمائة، ثم عملتُ مقدمة الشرح فكملتُ سنة ثلاث عشرة المذكوره"۔

معلوم ہوا کہ یہ کتاب ہدی الساری فتح الباری کا مقدمہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک اور بڑی شرح صحیح بخاری کا مقدمہ ہے۔ جو ۸۱۳ھ میں شروع ہوا اور اسی سال پورا بھی ہو گیا۔

مقدمۂ صحیح بخاری کا صحیح نام کیا ہے: یہ مقدمہ شرح صحیح بخاری ھَدْیُ الساری کے نام سے مشہور ہے، اس کے تمام مطبوعہ اور اکثر قلمی نسخوں پر یہی نام ہے، اس کے باوجود اس کے اصل نام کی

www.shibliacademy.org

تحقیق کی ضرورت پیش آئی۔

هُدَی الساري یاهَدْی الساري: عموماً ہُدی الساری اہل علم کی زبانوں پر جاری ہے، بعض نسخوں پر نام نہیں صرف مقدمہ تحریر ہے، ایک دو نسخوں پر الف لام کے اضافہ کے ساتھ الہدی الساری بھی ہے۔ ایک خطی نسخہ میں جو مصنف کی حیات میں ۳؍صفر ۸۵۲ھ کو مکمل ہوا تھا، اس پر ان کے قلم سے واضح لفظوں میں ہُدَی الساری (بضم الہاء و فتح الدال) لکھا ہوا ہے۔(۲۸)

"هُدَی الساری، لمقدمة فتح الباری، للفقیر احمد بن علی العسقلانی"

یہ نسخہ مکتبۃ الظاہریہ دمشق کے ذخیرہ میں ہے(۲۹)۔ یہاں یہ عرض کرنا نامناسب نہیں کہ ہُدی اور ہَدْی میں فرق اور فوقیت کے لیے صرف مذکورہ عبارت کو حتمی نہیں کہا جاسکتا، دوسری عبارتوں سے بھی اس کی تائید کی ضرورت ہے۔

الہدی الساری: کم سے کم ایک ہندوستانی نسخہ کی پیشانی پر الف لام کے اضافہ کے ساتھ "الهدي الساري" لکھا ہوا ہے، الف لام کا یہ اضافہ قدیم نسخوں میں نہیں ملتا، اس لیے اس کو غلطی پر اضافہ یا تحریف بھی کہا جاسکتا ہے۔

ہدی الساری کی تصنیف کے وقت سے مقبولیت کی ہدی الساری کے نسخہ کی نقلیں لینے، مصنف کے سامنے پڑھنے اور اس کی اجازت و روایت کا سلسلہ شروع ہوا تو تیرہویں صدی ہجری تک جاری رہا۔ تیرہویں صدی کے شروع میں اول ہندوستان میں، اس کے برسوں بعد، مصر اور ترکی میں پریس آیا، اس وقت سے ہدی الساری چھپ کر عام ہونے لگی۔ اس دور میں بھی اول اول کتابوں کے نقل کا سلسلہ باقی تھا، مگر بعد میں بڑھتی طباعت کے ساتھ یہ معدوم ہوگیا۔

ہدی الساری کے اس تعارف میں اس کے نئے پرانے خطی اور مطبوعہ نسخوں کی تلخیصات، ترجموں اور اس کے مضامین کی منظوم کوششوں اور دوسری زبانوں میں اس کے ترجموں کا تذکرہ کیا جانا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حواشی

(۱) حافظ کو ان سے جو تعلق تھا، اس کا اندازہ حافظ کی اس عبارت سے کیا جاسکتا ہے، لکھتے ہیں: "لازمته من سنة

www.shibliacademy.org

تسعين إلى أن مات و كان يو دنى كثيراً، ويشهد لى فى۔بالتقدم، ويتأدب معى إلى الغاية، مع مبالغتى فى تعظيمه، حتى كنت لا أسميه فى غيبته إلاّ إمام الأئمة'' انباء الغمر ۷/۲۴۲۔ (دائرۃ المعارف: حیدرآباد: ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء)(۲)انباء الغمر ۷/۱۶۲۔(۳)انباء الغمر بابناء العمر ص:۲۳۹،ج:۵(دائرۃ المعارف: حیدرآباد)۔ (۴)سخاوی نے لکھا ہے:''سمع صاحب الترجمة منه فیها ما لا یحصیٰ'' الضوء اللامع ص:۳۸،ج:۵ انباء الغمر ص:۲۳۹۔(۵) دکتور شاکر محمود عبدالمنعم ص:۵۵۔ج:۱۔(۶) تغلیق التعلیق ص:۹۸ دکتور شاکر محمود ص:۸۳ ج ا۔ (۷) دکتور شاکر محمود عبدالمنعم ص:۶۶۔ (۸) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: مقدمہ تغلیق التعلیق ص: ۱۲۰-۱۱۸۔ اور شاکر محمود عبدالمنعم، ص:۱۱۸،ج:۱۔(۹) فہرس الفہارس ص:۳۳۷ج:۲۔(دار الغرب الاسلامی۔بیروت:۱۴۰۲ھ۔ ۱۹۸۲ء)۔(۱۰) د:شاکر محمود عبدالمنعم ص:۱۲۳،ج:۱۔(۱۱) جامع الحسین شہید کربلا حضرت حسینؓ کی طرف منسوب ہے اور یہاں یہ بات مشہور ہے کہ ان کا سر مبارک یہاں مدفون ہے، یہاں ایک مزار ہے، جس پر ازدحام رہتا ہے، لیکن تاریخی طور پر یہ بات مستند نہیں، قرین قیاس یہی ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر مبارک دمشق کی جامع اموی میں مدفون ہے، یہاں کے لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ فاطمی حکمران اپنے عہد حکومت میں حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک یہاں لے آئے تھے، لیکن مصر کے مستند مورخین جو فاطمی دور کے بہت بعد ہوئے ہیں، مثلاً علامہ سیوطیؒ اور علامہ مقریزیؒ وغیرہ ایسے کسی واقعے کا ذکر نہیں کرتے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت بہت بعد کی پیداوار ہے۔ (حاشیہ نگار، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدّ فیوضہم)۔(۱۲) ابن حجر العسقلانی ودراسة مصنفاته۔شاکر محمود عبدالمنعم ص: ۱۲۳۔(۱۳) جہان دیدہ (عالمی سفر نامہ) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی (اردو) ص: ۱۵۲، ۱۵۳۔ کراچی: اکتوبر ۱۹۸۹ء)۔(۱۴) یہ معلومات دکتور شاکر محمود عبدالمنعم کی اطلاعات پر مبنی ہیں مگر جناب سعید عبدالرحمن موسیٰ القزفی نے مقدمہ تغلیق التعلیق میں (ج:۱،ص: ۱۸۳) حافظ کی تصنیف وتالیف کا آغاز ۷۹۶ھ میں قرار دیا ہے اور لکھا ہے:

''فكان ابتداءه فى التصنيف فى حدود سنة ست وتسعين وسبع مائة''

لیکن نہ اس سن کے تعین کی وجہ لکھی، نہ ایسی کسی کتاب کا نام تحریر کیا، جو ۷۹۶ھ میں تالیف ہوئی ہو۔ استاذ سعید موسیٰ عبدالرحمن القزفی نے ایک اور موقع پر علوم لغت کے تحت، حافظ کی تصانیف کے تذکرہ میں، مقدمۃ العروض کا سنہ تالیف ۷۹۶ھ لکھا ہے، ص:۲۰۹،ج ا۔ مگر اس سن میں حافظ کے یہاں تالیف وتحریر کی کسی خارجی یا داخلی ذریعہ سے تصدیق نہیں ہوئی۔(۱۵) تغلیق التعلیق ص:۲۰۹، ج:۱، شاکر محمود عبدالمنعم ص:۷۰ تا ۱۵۱/۳/۱۔(۱۶) عنوان الزمان ۹۶/۱ بحوالہ مقدمہ تغلیق التعلیق ۱۶۹/۱۔(۱۷) تفصیلات کے لیے دیکھیے: کتاب دکتور شاکر محمد عبدالمنعم ص:

www.shibliacademy.org

۱۶۷ تا ۱۷۲، ج:۱۔(۱۸) تغلیق التعلیق۔عبدالرحمن موسیٰ القزفی ۱/ ۲۱۵۔(۱۹) دکتور شاکر محمود ۱/ ۲۱۴۔(۲۰) ہدی الساری ص: ۱۸۷-۱۸۷، ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ۔قاہرہ:مصر ۱۳۴۷ھ، نیز دیکھیے: شاکر محمود عبدالمنعم ۱/ ۲۱۵۔(۲۱) نقل ورق اول انتقاض الاعتراض، ملحقہ ہدی الساری، مکتوبہ بقلم ابوالفتح ابراہیم۔ذی الحجہ ۱۱۸۴ھ (مارچ ۱۷۷۱ء) مکتبۃ الازہر قاہرہ مصر۔(۲۲) الف: بستان المحدثین ص: ۱۱۵ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۴۳ھ)۔ب: بستان المحدثین ص: ۱۹۵ (مطبع گلزار محمدی۔لاہور بلاسنہ)۔ج: ترجمہ عربی بستان المحدثین۔ڈاکٹر محمد اکرم ندوی (دارالغرب الاسلامی، بیروت: ۲۰۰۲ء)۔د: اردو ترجمہ، مع حواشی، بستان المحدثین۔مرتبہ نورالحسن راشد کاندھلوی ص: ۳۳۱ (کاندھلہ ۲۰۱۶ء)۔(۲۳) د: شاکر محمود عبدالمنعم۔۱/ ۱۸۹۔(۲۴) الحافظ ابن حجر العسقلانی، امیر المومنین فی الحدیث عبدالستار شیخ۔ص: ۴۳۰ (دارالقلم دمشق۔۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء)۔(۲۵) اتحاف القاری بمعرفۃ جہود واعمال العلماء، علی صحیح البخاری تالیف: محمد عصام عرار الحسینی ص: ۳۷، (دارالیمامۃ للطباعۃ والنشر۔دمشق بیروت: ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء)۔(۲۶) ۱/ ۱۸۶۔(۲۷) ہدی الساری ص: ۴ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر ۱۳۴۷ھ۔(۲۸) مثلاً بروکلمان کی تاریخ الادب العربی کے مترجمین نے فتح الباری کے تذکرہ کے بعد اس کے مقدمہ کے تعارف میں اس کا نام ہدایۃ الساری لکھ دیا ہے، ترجمہ تاریخ الادب العربی، بروکلمان ص: ۱۷۰، ج: ۳۔دکتور عبدالحلیم النجار (دارالمعارف القاہرہ: ۱۹۷۷ء) رضا لائبریری رام پور کی فہرست مخطوطات [Catalogue of the Arabic Manuscripts] میں بھی یہی غلطی ہوئی ہے۔ص ۱/ ۳۴۹، رامپور ۱۹۶۳ء۔(۲۹) انتقاض الاعتراض۔ورق اول۔مشمولہ نسخہ خطی، فتح الباری مکتوبہ ۱۱۸۶ھ۔(مکتبۃ الازہر: دمشق) یہ نسخہ نیٹ پر موجود ہے۔انتقاض الاعتراض صمدی بن عبدالمجید السّلفی اور صبحی السامرائی کی تحقیق سے دو جلدوں میں (مکتبۃ الرشد: ریاض) سے شائع ہو چکی ہے مگر مرتبین کی صراحت کے مطابق، ان کے پیش نظر موجود، انتقاض الاعتراض کا خطی نسخہ اغلاط سے پر تھا، محققین نسخہ نے لکھا ہے: ''وجدنا بعض الأخطاء الاملائیۃ وغیر الاملائیۃ کثیراً ما وقعت فی الخطوط، فاصلحناها ص: ۴، اس لیے راقم نورالحسن راشد نے قدیم خطی نسخہ سے عبارت نقل کی ہے۔(۳۰) اس اہم اطلاع کا جناب نواف بن محمد، عبدالرشید نے تعارف کرایا ہے۔یہ مضمون کئی اداروں کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔(۳۱) جواب مکتبۃ الاسد دمشق کا ایک حصہ ہے۔(تحریر جناب نواف بن محمد)۔

مقالات

حافظ ابن حجر العسقلانی اور ان کا نادر نسخہ ''ہدی الساری'' (نسخۂ کاندھلہ)

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی

(۳)

خطی نسخوں کے علمی مقام کی تحقیق و تعیین کا منہج: اہل نظر صاحب فن لوگوں نے مخطوطات کی اہمیت جاننے اور ان کے متون کو فنی ترتیب اور اعلی معیار کے مطابق پیش کرنے کے لیے مخطوطات کو کئی قسموں پر منقسم کردیا ہے۔ نسخۂ مصنف کے علاوہ ہر دور کے مختلف علاقوں اور مختلف الحیثیات اصحاب و علماء کے لکھے ہوئے نسخے بھی ہوتے ہیں۔ ان نسخوں کی باہمی ترتیب و تقسیم کیا ہونی چاہیے اور ان سے درجہ بہ درجہ کس طرح فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس کے لیے ہدی الساری کے معلوم خطی نسخوں کو بھی استنادی و تاریخی اہمیت کے لحاظ سے کئی حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ وہ نسخے جو مصنف کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں یا مصنف کے تصحیح کیے ہوئے ہیں۔

۲۔ وہ نسخے جن کو مصنف نے پڑھایا ہے یا مصنف کے درس میں استعمال ہوئے ہیں اور ان میں مصنف کی قرأت کے مطابق تصحیح کی صراحت ہے۔

۳۔ وہ نسخے جن کو مصنف نے دیکھا ہو اور ان پر اپنے قلم سے اس کتاب کی قرأت کی صراحت اور اس کے درس کی اجازت تحریر کی ہو۔

بعض نسخوں میں یہ دونوں صفتیں جمع ہوجاتی ہیں کہ مصنف نے ان میں پڑھایا بھی ہے، ان کی تصحیح بھی کی ہے اور ان پر اپنے شاگردوں کو اجازت سے بھی نوازا ہے۔

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، مولویان، کاندھلہ، شاملی (مظفرنگر) یوپی۔ Email:nhrashidkandhlavi@yahoo.com

۴- وہ نسخے جو نسخۂ مصنف سے نقل کیے گئے ہوں۔

۵- وہ نسخے جو مصنف کی زندگی میں لکھے یا نقل کیے گئے ہوں۔

۶- وہ نسخے جو اگرچہ مصنف کے شاگردوں کے قلم سے ہوں، مگر ان پر مصنف کے نسخہ سے مقابلہ کی اور مصنف سے پڑھنے کی صراحت نہ ہو۔

۷- وہ نسخے جو کسی ممتاز عالم یا محدث نے نقل کیے ہوں یا ان میں کسی بڑے محدث یا عالم نے پڑھایا ہو، ان کی تصحیح کی ہو یا ان کی اجازت دی ہو۔

۸- عام نسخے جن کا بظاہر کوئی امتیاز یا علمی خصوصیت نہ ہو، ان کی سن کتابت کی ترتیب پر درجہ بندی کی جاسکتی ہے، مثلاً ہدی الساری کے آخری دور کے نسخے بھی تاریخ کتابت کے لحاظ سے دو طرح سے علاحدہ کیے جاسکتے ہیں:

الف: ۱۰۰۰ھ تک کے لکھے ہوئے نسخے۔ ب: ۱۰۰۱ھ کے بعد کے مکتوبہ نسخے۔

ہدی الساری کے خطّی نسخے جو موجود ہیں: ہدی الساری کی تالیف کے وقت سے اس کی نقلیں لینے، مصنف سے پڑھنے اور اس کے نسخوں اور فوائد و نکات کو عام کرنے کا سلسلہ بڑے پیمانہ پر شروع ہوگیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہدی الساری کی تالیف پر سوا چھ سو سال (تالیف: ۸۱۳ھ) گزرنے اور بیشتر علمی ذخیروں، کتب خانوں اور نظام حکومت و مملکت درہم برہم ہونے کے باوجود دنیا کے معلوم کتب خانوں اور ذاتی ذخیروں میں ہدی الساری کے پچاسوں نسخے موجود ہیں، جو مصنف کے عہد سے چودھویں صدی ہجری تک لکھے گئے ہیں۔(۱)

ان میں سے اکثر نسخوں کی بروکلمان اور سزگین نے نشاندہی کی ہے، سزگین کی اطلاعات پر ڈاکٹر نجم عبدالرحمٰن خلف کی تلاش سے خاصا اضافہ ہوا ہے، مگر اس وسیع تلاش و تحقیق کے باوجود ہدی الساری کے اور بھی بہت سے نسخے ایسے ہیں، جن کا عالمی فہارس اور مراجع میں تذکرہ نہیں آیا۔ تلاش کیا جائے تو اور ملکوں کے علاوہ، ہند و پاکستان کے کتب خانوں میں بھی ہدی الساری کے بیسیوں نسخے دریافت ہوں گے، ایسے ہی گمنام و غیر متعارف نسخوں میں سے ایک نہایت اہم، ممتاز اور قابل قدر نسخہ وہ ہے، جو ہمارے ذخیرۂ کتب کی زینت ہے۔

ہدی الساری کا یہ قیمتی نسخہ اس کتاب کی تالیف کے صرف سات سال بعد مدرسہ ناصریہ، قاہرہ

میں محرم الحرام ۸۲۰ھ (مارچ ۱۴۱۷ء) میں نقل کیا گیا تھا، کاتب نسخہ کے الفاظ سے محسوس ہوتا ہے کہ کاتب حافظ ابن حجر کا شاگرد ہے۔ اس نسخہ میں حافظ ابن حجر نے پڑھایا بھی ہے، اس کے ورق ورق پر حافظ ابن حجر کے قلم سے سماعات و بلاغات کی صراحت ہے، اس میں حافظ نے کثرت سے اضافے بھی کیے ہیں، پہلے مسودہ کی متعدد عبارتوں کو قلم زد بھی کیا ہے، بعض موقعوں پر جب متعلقہ صفحات پر کسی اضافہ کی جگہ نہیں رہی تو یہ اضافہ، فائدہ علاحدہ کاغذ پر لکھ کر اس صفحہ پر چپکا دیا ہے۔ یعنی یہ نسخہ حافظ کے مطالعہ و استعمال میں رہے اہم ترین نسخوں میں شامل ہے، اس کا مفصل تعارف آرہا ہے، اس سے پہلے ہدی الساری کے چند اور خطی نسخوں کا کچھ تعارف پیش کیا جاتا ہے:

اگرچہ ہدی الساری کے بیسیوں نسخے پوری دنیا کے کتاب خانوں کی زینت ہیں، مگر افسوس ہے کہ ان کی مفصل فہرست مرتب اور دستیاب نہیں، جس میں ان کا مفصل تعارف یا ان کے امتیازات کا تذکرہ ہو۔ اگر اس قسم کے تمام نسخوں کی جستجو کر کے ان کی مفصل فہرست تیار کی جائے، تو خیال ہے کہ اس طرح کے کم سے کم سو نسخے دریافت ہوں گے۔ ہندوستان کے کتب خانوں میں بھی ایسے کئی نسخے موجود ہیں، جو ہدی الساری کی تحقیق اور نئی تدوین میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ یہاں تمام نسخوں کے تذکرہ کا موقع نہیں۔ تاہم ہدی الساری کے چند نسخوں کی جزوی معلومات پیش ہیں، جس میں سے چند بالکل نئی ہیں، امید ہے کہ مفید ہوں گی۔

مکتوبہ ۸۱۸ھ مدینہ منورہ: ہدی الساری کے جو نسخے اس وقت تک معلوم اور علمی دنیا میں متعارف ہیں، ان میں سب سے پرانا نسخہ وہ ہے جو ہدی الساری کی تالیف کے صرف پانچ سال بعد ۸۱۸ھ (۱۴۱۵ء) میں لکھا گیا تھا۔ اس نسخہ کے ابتدائی صفحات موجود نہیں مگر ان پر تصحیحات و تعلیقات ہیں، لیکن یہ صراحت نہیں کہ یہ نسخہ نسخۂ مصنف کی نقل ہے یا مصنف کے سامنے پڑھا گیا ہے۔ عمر رضا کحالہ نے **المنتخب من مخطوطات المدینۃ المنورۃ** میں اس نسخہ کا ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے:

مقدمۃ فتح الباری لابن حجر العسقلاني نسخہ مخرومۃ الاول، عدد صفحاتھا ۳۹۳ علیھا تصحیحات و تعالیق، تاریخ نسخھا ۸۱۸ھ۔ (۲)	یعنی یہ نسخہ ۸۱۸ھ کا لکھا ہوا ہے، ابتدائی صفحات ناکارہ ہیں، اس پر تصحیحات اور افادات بھی ہیں، یہ نسخہ تین سو ترانوے صفحات پر مشتمل ہے۔

نسخۂ کاندھلہ مکتوبہ ۸۲۰ھ بخط محمد بن الجاہ الحضرمی: اس کا اجمالی تذکرہ ہو چکا ہے مفصل تعارف آخری صفحات میں آ رہا ہے۔

مکتوبہ ۸۲۲ھ (جامعۃ الامام محمد بن سعود، ریاض): بخط علامہ سراج الدین، قاری الہدایہ۔(۳)

دارالعلوم الاسلامیہ پشاور (پاکستان): کے ذخیرہ میں (ہدی الساری) کا ایک عمدہ اور نہایت قدیم نسخہ ہے، جو اس فہرست کی اطلاع کے مطابق ۸۳۳ھ م (۱۴۳۱ء) کا لکھا ہوا ہے۔ مگر مرتب فہرست نے اس کو فتح الباری قرار دیا ہے، جو صحیح معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ فتح الباری تو رجب ۸۴۲ھ میں مکمل ہوئی تھی۔(۴) فتح الباری کی تصنیف کی تکمیل سے دس سال پہلے نقل ہونے والا نسخہ ہدی الساری کا ہو سکتا ہے فتح الباری کا نہیں ہوگا۔(۵)

مکتوبہ ۸۴۰ھ: یہ نسخہ نسخۂ مصنف سے نقل کیا گیا ہے، نسخۂ مولف سے اس کا مقابلہ بھی ہوا ہے۔ یہ نسخہ عراقی میوزیم میں موجود ہے۔(۶)

مکتوبہ ۸۴۵ھ (رضا لائبریری، رام پور، ہند): یہ نسخہ موسیٰ بن عمران کے منقولہ نسخہ سے ۸۴۵ھ میں نقل کیا گیا تھا، جو مختلف اصحاب کے قلم سے ہے۔ ۸۴۶ھ میں حضرت مولف حافظ ابن حجر کے درس میں پڑھا گیا ہے۔ یہ نسخہ ہندوستان کے ایک عہدہ دار امین خان حسین بہادر فیروز جنگ کو پیش کیا گیا تھا۔ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔

مکتوبہ ۸۴۵ھ: ایک اور نسخہ جو ربیع الاول ۸۴۵ھ میں کتابت ہوا، دار الکتب المصریہ میں ہے، مجھے اس کی تفصیلات معلوم نہیں۔

مکتوبہ ۳/صفر ۸۵۱ھ: بخط محمد بن صدقہ المالکی وعلیہ خط الحافظ ابن حجر (دار الکتب الظاہریہ، دمشق)(۷) اس نسخہ کا نواف بن محمد عبداللہ الرشید نے اپنی تحریر میں ذکر کیا ہے۔ یہ نسخہ محمد بن صدقہ مالکی کے قلم سے ہے جو کہ حافظ شہاب الدین بقاعی کی ملکیت میں بھی رہا ہے، اس کے آخری ورق پر حافظ ابن حجر کے قلم سے شہاب الدین بقاعی کے لیے اجازت بھی تحریر ہے۔

مکتوبہ ۸۵۳ھ: اس نسخہ کے آخر میں مولف (حافظ ابن حجر) کے قلم سے سماعت کی تحریر درج ہے۔

مکتوبہ ۸۵۸ھ: یہ نسخہ جامعۃ الملک سعود ریاض میں ہے۔ اس کو شیخ محمد بن عبدالحق بن احمد النشاطی القاہری الشافعی (وفات: ۸۷۰ھ) نے نقل کیا تھا۔

مکتوبہ ۸۶۳ھ: (مکتبہ حرم مکی) یہ نسخہ مکتبۂ حرم مکی میں محفوظ ہے۔(نمبر ۳۶۴حدیث)(۸)

مکتوبہ ۸۹۶ھ: یہ نسخہ مصنف کے نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔(۹)

مکتوبہ ۹۶۵ھ: (متحف عراقی) یہ نسخہ عراقی عجائب گھر کی لائبریری میں موجود ہے، چھ سو اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے۔(رقم ۲۹۶۹)(۱۰)

مکتوبہ دسویں صدی ہجری: (متحف عراقی) عراقی عجائب گھر لائبریری میں، ہدی الساری کے اور نسخے بھی محفوظ ہیں۔ یہ نسخہ دوسو اٹھائیس ورق پر مشتمل ہے اور دسویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔ (رقم:۸۹۸۷)

مکتوبہ ۱۰۰۰ھ(خدابخش، پٹنہ، ہند): یہ نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔(۱۱)

مکتوبہ گیارہویں صدی ہجری(وزارۃ الاوقاف، کویت): وزارۃ الاوقاف، کویت کے خطی ذخیرہ میں ایک قلمی نسخہ ہے جس پر سن کتابت درج نہیں، مگر اس پر گیارہویں صدی ہجری کے بعض علماء خصوصاً شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد اسکندرانی مالکی متوفی ۱۰۶۰ھ(۱۲) کی تحریریں ہیں۔ یہ نسخہ ایک سو چورانوے صفحات پر مشتمل ہے۔(۱۳)

مکتوبہ ۱۱۰۰ھ(خدابخش پٹنہ): خدابخش لائبریری پٹنہ ہند میں ہدی الساری کا ایک اور نسخہ موجود ہے جو خط نسخ میں ایک سو چالیس اوراق پر مشتمل ہے، فی صفحہ ۳۳/سطور ہیں۔(۱۴)

مکتوبہ ۱۱۱۱ھ: خدابخش لائبریری پٹنہ۔(۱۵)

مکتوبہ ۱۱۱۵ھ(جامعۃ الملک سعود، ریاض): ایک نسخہ جو ۱۱۱۵ھ کا لکھا ہوا ہے، تین سو انیس اوراق پر مشتمل ہے۔(رقم:۳۳۷۴)(۱۶)

مکتوبہ ۱۱۲۹ھ(مکتبہ اوقاف سلیمانیہ، عراق): ہدی الساری کا ایک اور نسخہ جو قاضی القضاۃ عبدالقادر آفندی مکہ مکرمہ کے قلم سے ۱۱۲۹ھ میں نقل ہوا، مکتبہ اوقاف سلیمانیہ عراق میں محفوظ ہے۔(۱۷)

مکتوبہ ۱۱۴۱ھ(خدابخش پٹنہ): خدابخش لائبریری میں محفوظ نسخوں میں سے ایک نسخہ ۱۱۴۱ھ کا مکتوبہ ہے۔(۱۸)

مکتوبہ ۱۱۶۸ھ(ندوۃ العلماء، لکھنؤ از خزانہ علامہ محمد بن اسماعیل الامیر یمانی): شبلی لائبریری، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ہند کے مخطوطات میں ہدی الساری کا ایک گراں قدر نسخہ محفوظ ہے۔(۱۹) جو

ندوہ میں غالباً مولانا نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپال کے ذخیرہ سے آیا ہے، مگر ندوہ کی فہرست مخطوطات میں اس کا واضح تعارف نہیں ہے۔ راقم سطور نے یہ نسخہ دیکھا ہے، یہ بہت اہم نسخہ ہے۔ بعض تفصیلات درج ذیل ہیں۔ یہ نسخہ جمادی الاخریٰ ۱۱۶۸ھ (اپریل ۱۷۵۵ء) کا لکھا ہوا ہے۔ ترقیمۂ کاتب ملاحظہ ہو:

"وکان الفراغ من رقمه، یوم الثلاث۔ ۲۶/جمادی الاخری ۱۱۶۸ھ"

یہ نسخہ صاف تحریر میں، باریک خط نسخ میں کتابت کیا گیا ہے، فی صفحہ عموماً ۲۴/۲۳ سطور ہیں، مکمل نسخہ تین سو چھیانوے صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے سرورق کے بائیں کونے میں یہ الفاظ تحریر ہیں:

"الحمد لله من خزانة مولانا امیر المؤمنین وسید المسلمین، المهدي لدين الله ---العالمین، العباس بن امیر المؤمنین المنصور بالله۔۔ شهر شعبان الکریم ۱۱۸۷ھ۔"

اگرچہ صراحت نہیں کہ یہ نسخہ کس نسخہ سے نقل کیا گیا تھا، مگر سرورق پر درج ایک فقرہ سے خیال ہوتا ہے کہ ناقل کے سامنے غالباً نسخۂ مولف موجود تھا۔ کاتب نسخہ نے لکھا ہے:

قال المؤلف، انه کمل تالیف المقدمة هذه في سنة ثلاث عشر وثمان مائة، وانه اشتمل علی جمیع مقاصد الشرح سوی الاستنباط۔

اس کے بعد جو کلمات لکھے ہیں وہ قابل توجہ ہیں۔ تحریر ہے:

من خطه (ای خط المصنف)۔

یہ نسخہ حاکم یمن امیر المومنین المہدی لدین اللہ نے شیخ علی بن صالح العماری کو ہبہ کر دیا تھا، کتاب کے پہلے ورق پر شیخ علی ابن صالح نے اس کی وضاحت کی ہے:

"للفقیر علي بن صالح العماري بالهبة" (۲۰)

اسی ورق پر چند اور اصحاب کی ملکیت کی تحریریں بھی ثبت ہیں:

الف: من کتب - الفقیر الی الله تعالیٰ - اسماعیل بن محمد بن احمد بن الحسین۔

ب: من کتب - الفقیر الی الله تعالیٰ - احمد علي بن عثمان بن۔۔۔۔

ج: الحمد لله وحده فی ملک - الفقیر الی الله عزوجل بالشراء من الشیخ العلامة۔ عمر بن ابراهیم السندی بواسطة الحاج قتاد کناج بن میر الدین السلیمان بثمن

۱۲۴۶ھ۔

مکتوبہ ۱۲۲۵ھ (بخط علامہ شیخ محمد عابد سندھی): مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں، ہدی الساری کے جو نسخے محفوظ ہیں، ان میں سے ایک نسخہ کا (جو ہدی الساری کا قدیم ترین معلوم نسخہ ہے) تذکرہ آچکا ہے، اسی کتب خانہ میں ایک نسخہ اور ہے جو نامور عالم اور محدث علامہ محمد عابد سندھی کے قلم کی یادگار ہے، اس کی کتابت ۱۲/ جمادی الاول ۱۲۲۵ھ (جون ۱۸۱۰ء) کو مکمل ہوئی تھی۔ یہ نسخہ روانی تحریر کی بھی ایک مثال ہے، علامہ سندھی نے اس کو چند دنوں میں نقل کرلیا تھا، اس میں فی صفحہ ۸۳ سطور ہیں اور مکمل کتاب ہدی الساری صرف ۶۱ اوراق میں مکمل ہوگئی ہے، علامہ سندھی نے تحریر فرمایا ہے:

وکان الفراغ من نسخ مقدمة فتح الباري هدى الساري أول نهار السبت، ثاني عشر من جمادى الاول من شهور سنة اثنتى عشر مائة وخمس وعشرين ۱۲۲۵ھ۔(۲۱)

ایک سال بعد ۱۲۲۶ھ میں کاتب نے اس کا اصل سے مقابلہ اور تصحیح کی تھی۔ علامہ سندھی فرماتے ہیں:

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، وقد كملت لها بحمد الله تعالىٰ وعنايته، فصحت المقدمة من اولها الى آخرها، فى ۲۳/ شعبان ۱۲۲۶ھ۔

مکتوبہ ۱۲۸۹ھ (علی گڈھ): مولانا آزاد لائبریری، علی گڈھ میں بھی، ہدی الساری کا ایک نسخہ محفوظ ہے جو ہندو پاکستان کے آخری دور کے ایک بہت بڑے عالم، محدث اور محقق علامہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ء) کے قریب نقل کرایا تھا۔

یہ نسخہ صاف نستعلیق خط میں نقل ہوا ہے، تحریر واضح رواں اور پختہ ہے، فی صفحہ عموماً اکیس سطریں ہیں، تین سو چورانوے اوراق میں مکمل ہوا ہے۔ اس نسخہ کے حوالہ سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس نسخہ کا کاتب، ایک غیر مسلم ہندوستانی (ہندو) ہے۔ آخر میں وضاحت ہے۔

"آخر مقدمة فتح البارى شرح البخارى، تاليف الشيخ الامام، شيخ الاسلام، افقه الانام، حافظ عصره، وحيد دهره، سلطان المحدثين، رحلة الطالبين، شهاب الملة والدين، ابى الفضل والفضائل، موضح المشكلات والأرامل، احمد بن على بن حجر العسقلانى الشافعي، تغمده الله برحمة واسعة واسكنه فسيح جنته بمنه وكرمه"۔

اس کے بعد تاریخ کتابت اور کاتب کے نام ''امراؤ سنگھ'' کی اسی طرح صراحت ہے:

''تمام شد کتابت ہذا، بتاریخ بست وششم، ماہ جولائی ۱۸۷۲ء بقلم امراؤ سنکھ، ساکن اشرف آباد''۔

اس نسخہ کے پہلے صفحہ پر علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی تحریر اور مہر بھی ثبت ہے، لکھا ہے:

من منح اللہ تعالیٰ، تملیکه هذا الکتاب المستطاب لعبده ابی الحسنات محمد عبدالحی اللکهنوی، ابن المرحوم مولانا عبدالحکیم، فی الجمادی الثانیة ۱۲۸۹ھ بالاستکتاب بعوض لعه (نو) روپے۔

مہر		ابوالحسنات محمد عبدالحی

ملاحظہ ہو کہ غیر مسلم (ہندو) ایسا فاضل اور اچھی عربی جاننے والا تھا کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ہدی الساری جیسی اہم علمی کتاب اس سے نقل کرائی (۲۲) اس بڑی کتاب کی اجرت نقل صرف نو روپے تھی، آج نو روپے میں صرف نو صفحات کا فوٹو اسٹیٹ ہوسکتا ہے، ایک صفحہ کی اچھی نقل پچاس روپے سے کم ہونی آسان نہیں۔

آخری معلوم نسخہ، مکتوبہ تقریباً ۱۳۴۵ھ (کاندھلہ): ہدی الساری کے اہم ترین اور قدیم ترین نسخہ (مکتوبہ ۸۲۰ھ) کو کاندھلہ (شاملی، مظفر نگر، یوپی۔انڈیا) میں تین سو سال سے یہاں محفوظ رہنے کا اعزاز حاصل ہے۔ ہدی الساری کے زیر تعارف نسخوں کا اختتام بھی ایسے ہی نسخہ پر ہورہا ہے، جس کی کاندھلہ میں کتابت وتحریر ہوئی ہے۔ اس کے بعد نقل وکتابت ہوئے کسی بھی نسخہ کا راقم سطور کو علم نہیں۔ یہاں کے ایک عالم مولانا محمد اسماعیل بن محمد اسحاق کاندھلوی (وفات: ۱۳۶۰ھ م ۱۹۴۰ء) (۲۳) نے تقریباً ۱۳۴۵ھ میں نقل کیا تھا۔ یہ نسخہ مولانا الشیخ اسماعیل کے نامور فرزند اور بڑے عالم ومصنف مولانا محمد ادریس الکاندھلوی کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں لاہور میں موجود تھا۔ مولانا کی وفات کے بعد کا حال مجھے معلوم نہیں۔

نسخۂ کاندھلہ (مکتوبہ ۸۲۰ھ) کا مفصل تعارف چند صفحات کے بعد آرہا ہے۔

ہدی الساری کا منظوم متن اور تلخیصات: ہدی الساری کی تعلیم واجازت اور نقل وروایت، علمائے محدثین کا ایک خاص معمول تھا، چند علماء نے ہدی الساری کے خلاصے مرتب کرنے کی کوششیں فرمائیں، چند اور علماء اور اہل فن نے اس کے نادر مباحث کو نظم کرکے اس کے مضامین کو آسان کرکے

اہل نظر تک پہنچانے کی کوششیں فرمائیں۔

ممتاز فقیہ اور ادیب شیخ حمدون بن عبدالرحمٰن الفاسی المالکی (۲۴) نے جو ابن الحاج کے نام سے معروف تھے، ہدی الساری کو نظم کیا، پھر اس کی شرح لکھی اور اس کا نام "مسک الداری لقاري صحيح البخاري" رکھا، یہ نظم مع شرح کے شائع ہوچکی ہے (۲۵)۔ الزرکلی نے الاعلام میں اس کا ذکر کیا ہے، مگر اس کا نام "نفحة المسک الداری لقاری صحيح البخاري" نقل کیا ہے۔ (۲۶)

اس کا ایک خطی نسخہ دار الکتب الازہریہ مصر میں ہے، اس نسخہ کے پہلے صفحہ پر اس کا نام اس طرح تحریر ہے: "نظم هدى السارى مقدمة فتح البارى للشيخ ابي الفيض احمد بن حمدون ابن الحاج السلمي" (اس کے سرورق کا عکس راقم کے سامنے ہے) اس میں ایک قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ مطبوعہ مراجع و ماخذ میں مصنف کا نام حمدون بن عبدالرحمٰن لکھا ہوا ہے، مگر خطی نسخہ پر ابوالفیض احمد بن حمدون تحریر ہے، جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ہدی الساری کے نظم کرنے اور شرح کرنے والے شاید علاحدہ علاحدہ باپ بیٹے ہوں گے؟

ہدی الساری کی اہم طباعتیں: ہدی الساری سب سے پہلے مطبع بولاق، مصر سے ۱۳۰۰ھ (م ۱۸۸۳ء) میں شائع ہوئی تھی، جو فتح الباری کی طباعت اور مجلدات کا ایک حصہ تھی۔ بولاق کی اس طباعت میں حاشیہ پر صحیح بخاری، متن میں فتح الباری تھی اور ایک علاحدہ جلد، ہدی الساری کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اس کے بعد ہدی الساری ۱۳۲۵ھ میں مطبع خیریہ مصر سے شائع ہوئی تھی۔

فتح الباری کی ابتدائی طباعتوں میں سے ایک اہم طباعت وہ ہے جو غالباً ۱۳۰۴ھ (م ۸۷-۱۸۸۶ء) میں مطبع انصاری دہلی سے چھپنی شروع ہوئی تھی، ۱۳۱۰ھ (م ۹۳-۱۸۹۲ء) کے بعد یہ کام مکمل ہوا۔ (۲۷) (سعودی عرب کے معروف ہندوستانی محقق) جناب ابوالاشبال احمد شاغف صاحب کا قول ہے کہ فتح الباری اور ہدی الساری کی تمام طباعتوں میں صحیح ترین طباعت یہی (مطبع انصاری دہلی) کی اشاعت ہے۔ (۲۸)

ہندوستان میں ہدی الساری کی ایک اور ممتاز طباعت وہ ہے، جو ریاست بھوپال کی والیہ سلطان جہاں بیگم یا مولانا منشی جمال الدین (دارالمہام ریاست بھوپال) کی ہدایت کے مطابق بھوپال سے شائع ہوئی تھی۔ (۲۹)

یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ حافظ ابن حجر کی تصانیف کی طباعت واشاعت پر سب سے پہلے ہندوستانی علما اور اہل نظر نے توجہ کی، حافظ کی تصانیف میں سے سب سے پہلے دو کتابیں شائع ہوئیں تھیں۔ نخبۃ الفکر کلکتہ سے شائع ہوئی، اس کے بعد اس کی شرح تالیف شیخ وجیہ الدین گجراتی، مطبوعہ فخر المطابع دہلی سے ۱۲۷۱ھ (۵۵-۱۸۵۴ء) میں تقریب التہذیب ۱۲۷۲ھ (م ۵۶-۱۸۵۵ء) میں دہلی کے مطبع احمدی سے چھپی۔ متون صحاح کے بہت بڑے خادم، مصحح اور ناشر حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری نے اپنے مطبع احمدی دہلی سے تقریب التہذیب کی طباعت کا انصرام کیا تھا۔ (۳۰)

الكاف الشاف في تخريج أحاديث الكشاف بھی اول ہندوستان میں طبع ہوئی، **القول المسدد في الذب عن مسند أحمد** کی پہلی طباعت بھی ہندوستان کے حصہ میں آئی، **الخصال المكفرة عن الذنوب المتقدمة والمتأخرة** بھی ہندوستان میں طبع ہوئی، **الدرر الكامنه** اور **انباء الغمر** کی پہلی اشاعت بھی ہندوستان کے مقدر میں تھی۔ ان کے علاوہ بھی حافظ کی کئی تصانیف ہیں، جن کی سب سے پہلی طباعت ہندوستان میں ہوئی ہے۔

فتح الباری کا بولاق مصر سے شائع مکمل نسخہ جو اپنی خصوصیات اور صحت طباعت میں آج بھی بہت ممتاز ہے اور فتح الباری کے بنیادی اور معتمد نسخوں میں گنا جاتا ہے، اس کی طباعت بھی اہل ہند کی توجہ اور علمی ذوق کی مرہون منت ہے۔

مطبع بولاق سے فتح الباری اور ہدی الساری کی طباعت کا ایک ہندوستانی عالم مولانا منشی جمال الدین کتانوی (۳۱) نے اہتمام کیا تھا، مولانا منشی جمال الدین ریاست بھوپال ہند کے مدارالمہام (وزیر اعظم) تھے۔ منشی جی نے فتح الباری کی طباعت کے لیے تین علما کو بڑی رقم دے کر مصر بھیجا تھا، ان تینوں کی محنت توجہ اور نگرانی سے یہ نسخہ چھپ کر مکمل ہوا، جس کو نسخۂ بولاق کہا جاتا ہی **فجزاه الله تعالیٰ خير الجزاء**۔

ہدی الساری کے اردو ترجمے: ہندوستان کے علماء نے ہدی الساری کے قدیم نسخے حاصل کیے، خود نقل کیے، کاتبوں سے اپنے لیے تیار کرائے، ہدی الساری کی کئی طرح سے خدمت کی اور اس کے فیوض کو عام کرنے کی کوششیں فرمائیں، ان ہی کوششوں کا ایک خاص حصہ یہ ہے کہ ہندی علماء نے فتح الباری

کے ہندو پاکستان کے مسلمانوں کی عام اور علمی زبان اردو میں مکمل ترجمے کیے۔ مجھے کسی اور زبان میں فتح الباری کے کامل ترجمہ کا علم نہیں، لیکن اردو میں فتح الباری کے کم سے کم تین ترجمے ہوئے ہیں، جس میں سے ایک کے متعلق صراحت ہے کہ اس کے ساتھ ہدی الساری کا مکمل ترجمہ بھی شامل تھا، ایک ترجمہ اور ہوا تھا جو مکمل ہو گیا تھا اور چھپا بھی ہے، مگر مجھے اس کی تصدیق نہیں کہ اس کے ساتھ ہدی الساری کا ترجمہ بھی شائع ہوا یا نہیں ہوا، ایک ترجمہ کی تکمیل اور طباعت کا صحیح علم نہیں۔

فتح الباری کا اردو میں پہلا مکمل ترجمہ علامہ سید امیر علی محدث ملیح آبادی نے کیا تھا، یہ ترجمہ لکھنؤ کے مشہور پریس مطبع منشی نول کشور کے بانی منشی نول کشور کی فرمائش پر کیا گیا تھا۔ مولانا سید امیر علی فاضل جلیل اور متبحر عالم تھے، جس کتاب کا ترجمہ کرتے، اس کی شان بڑھا دیتے تھے۔

مولانا عبدالحی حسنی مولف نزہۃ الخواطر مولانا امیر علی کے شاگرد تھے، مولف نزہہ نے مولانا کو خوب دیکھا اور برتا تھا، مولانا حسنی نے مولانا ملیح آبادی کا عمدہ شاندار تذکرہ کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے۔

مولانا سید امیر علی بن معظم علی حسینی ملیح آبادی ثم لکھنوی ۱۲۷۴ھ (م ۱۸۵۷ء) میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر تک فارسی اور معقولات کے علوم حساب، اقلیدس، جبر و مقابلہ، علم مثلث، مساحت وغیرہ پڑھتے رہے، پندرہ سال کی عمر میں ان سب کو ترک کر کے عربی کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابتدائی مختصرات مولانا سید عبداللہ اور ان کے استاد مولانا حیدر علی مہاجر سے پڑھیں، پھر قاضی بشیر الدین عثمانی قنوجی سے اصول، کلام، منطق و معانی اور حکمت وغیرہ کا درس لیا، اس کے بعد دہلی کا سفر کیا، دہلی میں مولانا سید نذیر حسین محدث سے صحاح غور و فکر سے پڑھ کر اخذ کیں، حکیم عبدالمجید دہلوی سے حکمت پڑھی، تعلیم مکمل کر کے ملیح آباد واپس آئے، یہاں برسوں تک تصحیح کتب کا مشغلہ اور مصروفیات رہیں۔

ایک دو سال تک مدرسہ عالیہ کلکتہ کے ناظر عام رہے، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں استاد حدیث اور صدر مدرس منتخب کر لیے گئے تھے۔ رجب ۱۳۳۷ھ (م اپریل ۱۹۱۹ء) میں لکھنؤ میں وفات ہوئی۔ (۳۲)

مولانا امیر علی جس موضوع اور کتاب پر قلم اٹھاتے اس کا گویا حق ادا کر دیتے تھے، مولانا کا

سب سے بڑا کارنامہ تفسیر مواہب الرحمٰن ہے۔ جو اردو میں قرآن کریم کی نہایت جامع، عمدہ اور سب سے بڑی تفسیر ہے، یہ تفسیر تیس جلدوں میں مکمل ہوئی اور چھپی، اس کے بعد بھی بار بار چھپتی رہی۔

فقہ حنفی میں اول، شرح وقایہ کا بہت ہی اعلیٰ درجہ کا ترجمہ نور الہدایہ کے نام سے کیا، جو فہم مقاصد میں شرح وقایہ کی متعدد شروح سے فائق ہے۔ اس کے بعد ہدایہ کی مفصل و مکمل شرح ''عین الہدایہ'' تحریر فرمائی جو ہدایہ کی اردو شروح میں بلاشبہ لاثانی ہے۔

اردو ترجمہ کی دنیا میں ایک اور بڑا کام فتاویٰ ہندیہ (عالم گیری) کا اردو ترجمہ ہے، جو دس بڑی جلدوں میں مکمل ہوا اور مولانا کے دیگر ترجموں کی طرح منشی نول کشور سے اعلا معیار پر شائع ہوا۔

اسی سلسلۂ تراجم کی آخری اور غیر معمولی یادگار فتح الباری کا اردو ترجمہ ہے، جو مولانا نے منشی نول کشور کی فرمائش پر کیا تھا۔ مولانا کے اوقات میں بہت برکت تھی، قلم نہایت رواں اور علم مستحضر تھا، اس لیے بڑی بڑی کتابوں کا بہت کم وقت میں ترجمہ کرلیا کرتے تھے، اتنے کم وقت میں کہ اس کا یقین کرنا مشکل تھا، کہا جاتا ہے کہ ہدایہ کا ترجمہ چھ مہینہ میں اور فتاویٰ ہندیہ کا ڈیڑھ سال میں پورا ہوگیا تھا، اس رفتار کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ فتح الباری کے ترجمہ میں بھی ڈیڑھ دو سال سے زیادہ کا وقت نہ لگا ہوگا۔

اس ترجمہ کے ساتھ ہدی الساری کا مکمل ترجمہ بھی شامل تھا، مگر یہ بہت بڑا علمی سانحہ ہے کہ مولانا کا یہ بڑا کارنامہ طباعت سے محروم ہے، مگر سنا ہے کہ اس کا مسودہ جو چودہ جلدوں پر مشتمل ہے، مطبع نول کشور لکھنؤ کے ذخیرۂ نوادر یا ریکارڈ روم میں محفوظ ہے۔

مولانا امیر علی کی ایک اور قابل ذکر علمی یادگار: ''تقریب التہذیب'' حافظ ابن حجر کا حاشیہ ہے۔ یہ حاشیہ ''تعقیب التقریب'' کے نام سے (۱۳۵۶ھ م ۱۹۳۷ء) میں مطبع منشی نول کشور سے چھپا تھا، اس کے آخر میں مولانا امیر علی کا لکھا ہوا ایک ضمیمہ ''التذنیب لتعقیب التقریب'' بھی شامل ہے۔

فتح الباری کا ایک اور اردو ترجمہ مولانا مفتی عبدالہادی کاوش بھوپالی نے کیا تھا، اس ترجمہ کی تفصیلات معلوم نہیں۔ (۳۳)

فتح الباری کا ایک اردو ترجمہ مولانا ابوالحسن سیال کوٹی کی صحیح بخاری کی اردو شرح، فیض الباری میں شامل ہے۔ یہ شرح صحیح بخاری کے پاروں کی ترتیب کے مطابق تیس حصوں یا جلدوں پر مشتمل ہے،

ہر ایک پارہ کی شرح علاحدہ حصہ میں چھپی ہے، فی حصہ دو سو سے تین سو صفحات تک ہیں۔

''فیض الباری''، پہلی مرتبہ مطبع گلزار محمدی، لاہور سے ۱۳۱۷ھ (۱۹۰۰ء) میں چھپی تھی۔ اگرچہ فیض الباری کے مرتب و مولف مولانا ابوالحسن سیال کوٹی نے ہر ایک حصہ کے سرورق پر بخاری کی چھ شرحوں کے نام لکھے ہیں، جن سے یہ کتاب اخذ کی گئی ہے، مگر کتاب کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا بڑا حصہ فتح الباری سے لیا گیا ہے۔ فتح الباری کے ترجمہ کی تکمیل پر مترجم نے ہدی الساری کا ترجمہ بھی کیا تھا، مگر مجھے اس کی طباعت کا علم نہیں۔ (باقی)

حواشی

(۱) (الف) بروکلمان۔ تاریخ الادب العربی، نقلہ الی العربیۃ دکتور عبدالحلیم النجار ص: ۱۷۰، جلد: ۳، (الطبعۃ الرابعۃ، دار المعارف القاہرہ) (ب:) تاریخ التراث الاسلامی۔ فوادسزگین۔ نقلہ الی العربیۃ د: محمود فہمی حجازی محمود فہمی ابوالفضل ص: ۱۷۴۔ (الہیئۃ المصریہ العامۃ للکتابۃ، قاہرہ) (ج) استدراکات: (علی تاریخ التراث العربی) فوادسزگین، تالیف د: نجم عبدالرحمٰن خلف۔ دارالبشائر الاسلامیہ بیروت (۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۰ء) (د): استدراکات علی تاریخ التراث العربی جو علاحدہ آٹھ جلدوں میں چھپی ہے۔ د: نجم عبدالرحمٰن خلف (دار ابن الجوزی۔ بیروت: ۱۴۲۲ھ) مگر موخر الذکر کتاب میں وہی اطلاعات دہرائی گئی ہیں، جو اس سے پہلے استدراک میں شائع ہو چکی تھیں۔ (۲) الف: المنتخب من مخطوطات المدینۃ المنورۃ۔ عمر رضا کحالہ ص: ۱۳۹ (دمشق ۱۳۹۳ھ۔ ۱۹۷۳ء)۔ ب: استدراکات (علی تاریخ التراث العربی) د، نجم عبدالرحمٰن خلف ص: ۲۱۰ (دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت)۔ (۳) اس نسخہ کا علامہ محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اپنی کئی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور اس کا اہم نسخہ کی حیثیت سے تعارف کرایا ہے۔ (۴) شاکر محمود عبدالمنعم ص: ۱۹۱، ج: ۱۔ (۵) (لباب المعارف العلمیۃ، فہرست مخطوطات و مطبوعات دارالعلوم الاسلامیہ پشاور، مرتبہ مولوی عبدالرحیم ص: ۵۰-۴۹، جلد اول) آگرہ اخبار پریس، آگرہ: ۱۳۳۳ھ۔ ۱۹۱۸ء)۔ (۶) د: نجم عبدالرحمٰن خلف ص: ۲۱۱۔ (۷) نواف بن محمد عبداللہ الرشید کی یہ تحریر، سب سے پہلے روزنامہ الجزیرہ میں ۹ نومبر ۲۰۱۱ء کو چھپی تھی، اس کے بعد بھی چھپی، ملتقی اہل الحدیث کے علاوہ اور بھی کئی ویب سائٹس پر موجود ہے۔ (۸) د: نجم عبدالرحمٰن خلف: ص: ۲۱۰= (۹) د: نجم عبدالرحمٰن خلف: ص: ۲۱۱۔ (۱۰) د: نجم عبدالرحمٰن خلف: ص: ۲۱۱۔ (۱۱) مفتاح الکنوز الخفیہ، مرتبہ مولوی عبدالحمید ص: ۸۵۔ جلد: ۱، (پٹنہ: ۲۰۰۵ء)۔ (۱۲) الزرکلی نے الجزولی فقیہ مالکی سے تعارف کرایا ہے۔ الاعلام ص: ۲۳۲، ج: ۳ (الطبعۃ الرابعۃ، بیروت: ۱۹۷۹ء)۔ (۱۳) فہرس المخطوطات الاصلیۃ وزارۃ الأوقاف الکویت ص: ۲۶۶۔ (۱۴) مفتاح الکنوز الخفیۃ، مرتبہ مولوی عبدالحمید ص: ۸۵، جلد اول، (پٹنہ ۲۰۰۵ء)۔ (۱۵) مفتاح الکنوز الخفیۃ ص: ۸۵۔ (۱۶) د: نجم عبدالرحمٰن خلف، ص: ۲۱۱۔ (۱۷) د: نجم عبدالرحمٰن خلف، ص: ۲۱۰۔ (۱۸) مفتاح الکنوز الخفیۃ ص: ۸۵۔

(۱۹) فہرست مخطوطات عربی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ص:۱۵۰۔(دہلی:۱۴۰۶ھ)۔(۲۰) شیخ علی بن صالح العماری کا، علامہ شوکانی نے مفصل تذکرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: البدر الطالع للشوکانی ص:۳۴۸۔۳۴۶۔جلد اول۔(۲۱) اس نسخہ کا علامہ عابد سندھی کے احوال پر سائد بکداش کی کتاب: الامام الفقیہ المحدث الشیخ محمد عابد السندی الانصاری رئیس علماء المدینۃ فی عصرہ میں مفصل تعارف درج ہے۔ کتاب مذکورہ ص: ۲۲۴، ۲۲۵ (دار البشائر الاسلامیہ، بیروت: ۱۴۲۳ھ) سائد بکداش نے ہدی الساری کے اس نسخہ کے آخری صفحہ کا عکس بھی اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔(۲۲) فرنگی محل کلکشن میں ایک اور غیر مسلم کے قلم سے نقل کی ہوئی، حافظ ابن حجر کی ایک اور تصنیف: الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف کا بھی ایک نسخہ ہے، یہ نسخہ بختاور لال سنگھ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر تاریخ کتابت درج نہیں (ذخیرۂ فرنگی محل ۱۰۷۳/۵۹)۔(۲۳) ابوادریس، مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی کا سن پیدائش اور تعلیمی حال معلوم نہیں، غالباً خاندان کے بزرگوں سے پڑھا اور اہل خاندان کے علاوہ بھوپال میں اجازات حدیث حاصل کیں، فاضل شخص اور متعدد کتابوں کے مترجم تھے۔ برسوں تک ریاست بھوپال (ہندوستان) میں ملازم رہے، بیگم بھوپال سے ایک شرعی مسئلہ پر اختلاف ہوجانے کی وجہ سے، ملازمت چھوڑ کر وطن آ گئے تھے، یہاں نادر قلمی کتابوں کی نقل وفراہمی (وراقت) کی مصروفیت تھی، بہت تیزی سے کتابیں نقل کرتے اور اہل ذوق تک پہنچاتے تھے۔ مولانا محمد اسماعیل کے قلم کی لکھی نقل کی ہوئیں جو کتابیں میرے علم میں ہیں اور ان میں سے اکثر اس وقت تک موجود ہیں، ان میں چند کتابیں یہ ہیں: فتح الباری۔ مکمل نسخہ، طیبی شرح مشکوٰۃ (پوری کتاب کی چھ مکمل نقول)، الکاشف للعلامہ تورپشتی (مصابیح السنن کی شرح) کے مکمل نسخہ کی دو نقلیں، البرہان فی شرح مواہب الرحمان، امیر کاتب اتقانی کی دو مکمل نقلیں، ان کے علاوہ اور کتابیں بھی مولانا کے قلم سے منقول موجود ہیں۔ شفا قاضی عیاض اور شرح الصدور للعلامہ سیوطی وغیرہ کے اردو ترجمے کیے۔ ۱۳۶۰ھ (م ۱۹۴۰ء) میں کاندھلہ میں وفات ہوئی، کاندھلہ میں دفن کئے گئے۔(۲۴) ابن الحاج حمدون، ابوالفیض، حمدون بن عبدالرحمٰن بن حمدون، السلمی، المرداسی، الفاسی، المالکی، الفقیہ الادیب المشہور من اہل فاس، ولد سنۃ اربع وسبعین مائۃ والف، وتوفی سنۃ اثنتین وثلاثین ومائتین والف۔(۲۵) نظم ہدی الساری اور شرح نظم ہدی الساری جس کا نام مسک الدراری ہے، دو علاحدہ تصانیف ہیں۔ اس کا خطی نسخہ علامہ عبدالحی کتانی مغربی (تیونس) کے ذاتی ذخیرہ میں ہے۔ محمد عصام عرار الحسینی نے: اتحاف القاری بمعرفۃ جہود واعمال العلماء علی صحیح البخاری میں اس کا تعارف کرایا ہے۔ ملاحظہ ہو: ص:۱۲۱ (طبع اول، الیمامہ للطباعۃ والنشر، دمشق: ۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۷ء)۔(۲۶) الاعلام ص:۲۷۵، ج:۲، (الطبعۃ الرابعۃ۔ بیروت: ۱۹۷۹ء)۔(۲۷) التعلیقات المفیدۃ علی الکتب العدیدۃ، لأبی الاشبال احمد شاغف، ص:۱۰۰ (مکتبۃ الفہد الوطنیۃ الریاض ۱۴۲۲ھ۔م ۲۰۰۱ء) شاغف صاحب نے فتح الباری کی اس طباعت کا سن ۱۳۱۰ھ لکھا ہے، (ص:۱۰۰) جو صحیح نہیں۔ یہ طباعت میرے سامنے ہے، اس کے اجزاء پر علاحدہ سنین طباعت چھپے ہوئے ہیں۔ جزء:۶ پر سن طباعت ۱۳۰۵ھ درج ہے اور جزء:۲۰ پر ۱۳۰۸ھ، اس رفتار طباعت کی وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ اس نسخہ کی طباعت غالباً ۱۳۱۰ھ کے بعد مکمل ہوئی ہوگی۔ یوسف سرکیس نے معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ میں اس کا سن طباعت ۱۳۰۷ھ لکھا ہے، یہ بھی صحیح نہیں۔(۲۸) حقیقت

یہ ہے کہ احمد شاغف صاحب، حنفی علماء کی خدماتِ حدیث (بلکہ تمام کارناموں) کو عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان کے بڑے بڑے کاموں کو بھی لائق اعتناء خیال نہیں کرتے، اس لیے ان کی اس رائے کے متعلق احتیاط سے فیصلہ کرنا چاہیے۔ یہاں یہ بات بہت قابل توجہ ہے کہ حدیث شریف کی بنیادی کتابوں میں سے، پوری دنیا میں سب سے پہلا مکمل متن جو شائع ہوا، وہ سنن نسائی کا تھا، جس کو ہندوستان کے ایک بڑے عالم اور محدث، شاہ محمد اسحاق دہلوی (وفات: ۱۲۶۲ھ۔ نواسہ شاہ عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولی اللہ) نے مرتب کر کے دہلی میں قائم، سب سے پہلے پریس، سلطان المطابع، لال قلعہ دہلی سے (۱۲۵۶ھ۔م ۱۸۴۰ء) میں شائع کرادیا تھا۔ اس کے بعد حدیث کی کتابیں، خصوصاً صحاح ستہ کے متون چھپنے شروع ہوئے، جو ان تمام کتابوں کی پوری دنیا میں سب سے پہلی اشاعت تھی۔ ترتیب و تاریخ طباعت یہ ہے کہ صحیح بخاری (۱۲۶۹ھ) میں صحیح مسلم (۱۲۷۰ھ) میں سنن ترمذی (۱۲۶۵ھ) میں سنن ابوداؤد (۱۲۷۲ھ) میں سنن ابن ماجہ (۱۲۷۳ھ) میں تصحیح وتحقیق وتعلیق سے مزین وآراستہ ہوکر، پوری دنیا میں سب سے پہلے ہندوستان کے علمائے احناف کی کاوش وکوشش سے شائع ہوئیں۔ ان میں سے سنن ابن ماجہ کے علاوہ، تمام کتابیں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی محنت وتوجہ اور مسلسل جانسوزی کی بدولت تصحیح کے ساتھ چھپیں۔ بولاق وغیرہ مطابع کا کام بہت بعد کا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس بڑے بلکہ بہت بڑے کارنامہ پر، ہمارے دور کے محققین اور خادمان حدیث نبوی شریف کی علمی توجہ نہیں ہوئی۔ خدمت حدیث کے اس غیر معمولی دروازہ کو کھولنے اور دنیا بھر کے علماء اور طالبان حدیث کے لئے حدیث کی کتابوں کو عام کرنے والوں کے تعارف کے لئے کوئی باضابطہ کوشش نہیں کی گئی۔ ایسے متعدد اصحاب وعلماء، جو ان بڑے کام کرنے والوں کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، انہوں نے بھی اس پر بہت محنت اور توجہ کی، ان کے بہت بعد خدمتِ حدیث اور طباعت واشاعتِ حدیث کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کو آج کل اہمیت دی جاتی ہے، اور برصغیر ہند وپاکستان میں، خدمت حدیث کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔ (۲۹) معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ الہندیۃ د؛ احمد خاں ص: ۱۲۴، (ریاض: ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۰ء)۔ (۳۰) تقریب التہذیب کی ہندوستان سے، بعد میں، کئی مرتبہ علاحدہ علاحدہ مطابع سے تصحیح اور مستقل نئے حاشیہ کے ساتھ اشاعت ہوئی، جس میں ایک نسخہ مطبع انصاری دہلی کا ہے، ایک اور عمدہ حاشیہ مولانا سید امیر علی ملیح آبادی کا ہے، اس کا تذکرہ آرہا ہے۔ (۳۱) کتانہ ہمارے وطن (کاندھلہ، ضلع شاملی، مظفر نگر، یوپی، ہند) سے تقریباً پچیس کلومیٹر پر واقع بستی ہے۔ مولانا جمال الدین ایک بہت بڑے فاضل، عالم، مخیر اور ہر لحاظ سے بلند مرتبہ شخص تھے۔ منشی جمال الدین نے ہی سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ (احمد بن عبدالرحیم) دہلوی کی شہرۂ آفاق تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ اول ہندوستان سے اس کے بعد بولاق سے چھپوا کر عام فرمائی تھی۔ شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمۂ قرآن کی اشاعت اور ازالۃ الخفاء کی طباعت بھی مولانا منشی جمال الدین کے خرچ سے ہوئی تھی۔ (۳۲) نزہۃ الخواطر یا (الأعلام بمافی الہند من الاعلام) از مولانا عبدالحی حسنی ص: ۷۶۔۷۵ ج: ۱ (دائرۃ المعارف حیدرآباد: ۱۴۰۲ھ۔ ۱۹۸۱ء)۔ (۳۳) بھوپال نمبر، مجلہ آگہی۔ مدیرہ: رضیہ حامد۔ ص: ۳۵۰ (بھوپال: ۱۹۹۶ء)۔

www.shibliacademy.org

مقالات

حافظ ابن حجر العسقلانی اور ان کا نادر نسخہ "ہدی الساری" (نسخۂ کاندھلہ)

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی

(۴)

ہدی الساری نسخۂ کاندھلہ کا مفصل تعارف، مکتوبہ محرم الحرام ۸۲۰ھ، کاتب، سن کتابت، حافظ کی تحریریں، سماعات، بلاغات، اجازات اور تصحیحات و اضافات۔

تحقیق متن میں کون سے نسخوں پر اعتماد کیا جانا چاہیے، ایک اصول! اوپر آچکا ہے کہ کسی بھی کتاب کے وہ نسخے اہم ترین اور بنیادی ہوتے ہیں جو:

۱۔ مصنف کے قلم سے ہوں، مصنف نے ان کی تصحیح کی ہو، ان سے پڑھا ہو یا اس نسخہ پر اپنے قلم سے بلاغات و سماعات رقم فرمائی ہوں۔

۲۔ یا ایسا نسخہ ہو جو مصنف کے کسی شاگرد نے مصنف کے نسخہ سے نقل کیا ہو۔

اگر کسی ایک نسخے میں یہ تمام اوصاف جمع ہوجائیں کہ اس کو مصنف کے شاگرد نے مصنف کے نسخہ سے نقل کیا ہو، اس کو مصنف نے لمبے عرصہ تک اپنے سامنے رکھا ہو، اس میں برسوں تک اضافے کیے ہوں، ترمیم و تغیر فرمایا ہو اور پھر اسی نسخہ سے اپنے کسی شاگرد کو پڑھایا بھی ہو اور اس پر مصنف کے قلم سے بلاغات اور اجازت بھی تحریر ہوں، تو نسخوں سے مقابلہ اور تصحیح و تحقیق کے وقت، ایسا نسخہ فنی، علمی قدر و قیمت، استنادی حیثیت اور تاریخی مرتبہ میں ہر اک نسخہ سے بلند ہوتا ہے۔ جس نسخہ میں یہ تمام خصوصیات موجود ہوں گی، جب تک کوئی خاص وجہ نہ ہو، وہ دوسرے نسخوں سے فائق شمار کیا جائے گا، دوسرا کوئی نسخہ اعتبار و استناد میں، اس نسخہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ فارسی زبان کے ایک بہت ممتاز

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، مولویان، کاندھلہ، شاملی (مظفرنگر) یوپی۔ Email:nhrashidkandhlavi@yahoo.com

www.shibliacademy.org

اور باریک بیں محقق، ناقد اور مصنف پروفیسر ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے اس موضوع پر اپنے خطبات میں ایک بہت پتہ کی بات کہی ہے:

> "تحقیق متن میں سب سے اہم نسخہ وہ ہے جو مصنف کا اپنا نسخہ رہا ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں: مثلاً مصنف نے خود تیار کیا ہے، مصنف نے کسی سے نقل کرایا ہے اور پھر وہ اس کی نظر سے گذرا ہے، یہ دوسری صورت پہلی سے زیادہ قابل توجہ ہے، اس لیے کہ جس طرح کاتب سے غلطی ہو جاتی ہے مصنف سے نقل میں غلطی کا بخوبی امکان رہتا ہے، ہم روز دیکھتے ہیں کہ لکھنا کچھ چاہتے ہیں اور لکھ کچھ جاتے ہیں"۔(۱)

اس لیے بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ ہدی الساری کا نسخہ کاندھلہ، مکتوبہ ۸۲۰ھ ہے، اسی قسم کا اعلیٰ درجہ کا نسخہ ہے، جس کو دوسرے معلوم خطی نسخوں میں اپنی صفات اور علمی امتیازات کی وجہ سے سب سے فائق اور اعلیٰ ترین نسخہ شمار کیا جا سکتا ہے۔

اگرچہ ہدی الساری کا ایک مخطوطہ اس سے بھی پرانا دریافت ہوا ہے، جو کتب خانہ محمودیہ مدینہ منورہ میں ہے، مگر وہ نسخہ اول سے ناقص ہے اور اس کے ناقل کی مصنف سے نسبت معلوم نہیں اور اس پر ایسی کوئی تحریر بھی نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ اس نسخے سے مصنف نے پڑھایا ہے، کسی کو اس کی اجازت دی ہے یا مصنف کے نسخہ سے نقل ہوا ہے، یا اس کو مصنف کے کسی شاگرد نے نقل کیا ہے۔ اس لیے اس نسخہ کا امتیاز صرف اس کی قدامت اور سنہ کتابت ہے۔

اس نسخہ کے بعد دنیا بھر میں معلوم ہدی الساری کے نسخوں میں سب سے قدیم نسخۂ کاندھلہ ہے، جو محرم الحرام ۸۲۰ھ میں ہدی الساری کی تالیف کے صرف سات سال بعد مصنف کے نسخہ سے نقل کیا گیا تھا، یعنی نسخہ کاندھلہ بنیادی طور پر حافظ ابن حجر کے ہدی الساری کے ابتدائی مسودہ کی نقل ہے۔ اس نسخہ کو حافظ صاحب کے سامنے درس میں سبقاً سبقاً پڑھا گیا، پڑھنے والے پڑھتے رہے اور حافظ اصل سے اس کا مقابلہ کرتے رہے، حافظ نے اس نسخہ میں ایک جگہ تحریر فرمایا ہے: "أنا ممسک بالأصل"۔

اس کے بعد سے یہ نسخہ حافظ ابن حجر کی زندگی کے تقریباً آخری سالوں تک حافظ کی توجہات کا محور رہا۔ مصنف کے غالباً سب سے آخری افادات اس میں درج ہو گئے ہیں۔ اس کے ایک حاشیے

www.shibliacademy.org

میں صراحت ہے کہ یہ اضافہ ۸۴۹ھ میں یعنی حافظ کی وفات سے صرف تین سال پہلے ہوا تھا، اس پہلو سے اس کو ہدی الساری کا مصنف کی تحریر و تصحیح سے آراستہ آخری مکمل نسخہ کہنا چاہیے۔

اس نسخہ کے لکھنے والے نے صراحت نہیں کی مگر اس کے الفاظ سے جھلکتا ہے کہ وہ حافظ ابن حجر کا شاگرد ہے۔اس نے لکھا ہے:

''شیخنا الامام حافظ العصر........''

ترقیمۂ کاتب: مکمل ترقیمۂ کاتب درج ذیل ہے۔اس کے کاتب نے لکھا ہے کہ میں نے اس نسخہ کی مصنف کے نسخہ سے مدرسۂ ناصریہ،(۲) قاہرہ میں یوم الاحد کی صبح ۲۵/محرم الحرام ۸۳۰ھ (۱۵/مارچ ۱۴۱۵ء) کو نقل مکمل کی۔ کتاب مکمل کرنے کی تاریخ واضح لفظوں میں لکھی ہے۔کاتب کے انداز تحریر اور اس کے الفاظ سے جھلک رہا ہے کہ اس نسخہ کا نقل کرنے والا حضرت مصنف سے خاص قربت اور ذاتی تعلق رکھتا ہے۔ترقیمۂ کاتب درج ذیل ہے:

آخر المقدمة المتعلقة بشرح البخاري، لشيخنا حافظ العصر مفتي الأنام، عمدة المحدثين، مقتدى الأئمة الأعلام، العالم العلامة، شهاب الملة والدين، أبي الفضل أحمد ابن الشيخ الإمام علاء الدين أبي الحسن علي بن محمد بن محمد بن علي العسقلاني، الشافعي، الشهير بابن حجر أدام الله بهجته وحرس للأنام مهجته۔

إنّي كتبت هذه النسخة من نسخة (كتبت من نسخة (۳)) المصنف المشار إليه۔ ووافق الفراغ منها، في نهار الأحد خامس عشرين المحرم الحرام، عام عشرين وثمانمائة، بالمدرسة الناصرية، بين العصرين وما بعدها۔

على يد أفقر عباد الله، محمد بن أبي الجاه الحضرمي، سليمان بن داؤد الصابي الحلبي۔

غفر الله لكاتبها وقارئها ومطالعها ولوالديهم ولجميع المسلمين آمين، الحمد لله رب العالمين وصلى الله على عبده محمد

www.shibliacademy.org

www.shibliacademy.org

و آله و صحبه أجمعين و سلم۔

اس عبارت میں ایک ترمیم اور اس کی حقیقت: اصل نسخہ کی تحریر و تکمیل کے بعد کاتب نسخہ کی تحریر میں معمولی سی ترمیم یا اضافہ کیا گیا ہے۔ کاتب کی عبارت اور الفاظ مسلسل ہیں، حروف میں فاصلہ نہیں ہے۔ مگر بعد میں کسی شخص نے کاتب کے الفاظ: من نسخة المؤلف کے اوپر اور نیچے کی سطروں کے درمیان ایک لفظ: كتبت اور نیچے کی سطر میں: من نسخة لکھ دیا ہے، اس طرح سے یہ فقرہ اصل نسخہ کی عبارت پر اضافہ، جسارت بے جواز اور نسخہ مصنف کو نقصان پہنچانے کی ایک کوشش معلوم ہوتی ہے۔

اس فقرہ کا غلط ہونا بالکل واضح اور صاف ہے، کیونکہ حضرت مصنف نے اس نسخہ کو ہمیشہ اپنے پاس رکھا، اس پر کثرت سے تقریباً ہر ایک صفحہ پر اضافے کیے، اس میں پڑھایا اور اپنے نسخہ میں مصنف جو زیادہ سے زیادہ اضافہ، ترمیم و تغیر ہوسکتا ہے اس کی کوشش فرمائی اور تصرفات و اصلاحات کیے۔ اس قسم کی کوشش اسی وقت ممکن ہے، جب یہ نسخہ خود مصنف کے نسخہ کی نقل ہو اور اس پر مصنف کو اپنے لکھے ہوئے نسخہ جیسا اعتماد ہو۔ جس نسخہ کا مصنف سے دو دو واسطوں یا زیادہ فاصلہ ہو، مصنّفین اپنی کتابوں کے ایسے نسخوں پر توجہ اور ان سے اعتناء نہیں فرمایا کرتے۔ حاصل یہ ہے کہ اس عبارت میں جو حرف نقل ہوئے ہیں: كتبت من نسخة المصنف یہ بعد کا اضافہ ہے۔ یہ الفاظ اصل نسخہ کے کاتب محمد بن ابی الجاہ الحضرمی کے نہیں ہیں، اس فقرہ کی وجہ سے اس نسخہ کی اصلیت و استناد پر شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

اوراق و سطور: یہ نسخہ (۱۷×۲۷) سینٹی میٹر ناپ کے دو سو سینتیس اوراق (چار سو بہتر صفحات) پر مشتمل ہے، ابتدائی کتابت و ترتیب میں صفحات کے آخر میں صرف ترکہ (صفحہ کی عبارت کے بعد دوسرے صفحہ کے ایک دو ابتدائی کلمات کا اشارہ) لکھا ہوا ہے۔ اوراق پر جو نمبر شمار درج ہیں، ان کی وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً اوراق کا یہ شمار بھی حضرت مصنف کے قلم سے ہے۔ اکثر موقعوں پر اس کی روشنائی اور قلم وہی ہے جو حافظ ابن حجر کے قلم کی پہچان ہے، مگر خیال یہ ہے کہ یہ شمار یا اوراق کے نمبر، حاشیے اور نئی عبارتیں لکھنے کے بعد ڈالے گئے ہیں، ورق (۱۴۵-الف) اور ورق (۱۷۹-الف) دیکھیے تو ان سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ حاشیہ لکھنے کے بعد لگائے گئے ہیں، شمار لکھنے کی مقررہ جگہ حاشیہ کے استعمال میں آ گئی تھیں، اس لیے یہ نمبر دوسری جانب یا درمیان میں ڈال دیے گئے، حالانکہ

www.shibliacademy.org

پوری کتاب میں شمار بائیں کونہ پر درج ہے۔

انداز تحریر: کاتب نسخہ محمد بن ابی الجاہ الحضرمی کا قلم نسخ بھی نہیں ہے اور نستعلیق بھی نہیں، یہ نسخ اور مغربی خط کا مجموعہ ہے۔ کاتب حروف کو عموماً ٹیڑھا کر کے لکھتا ہے، تحریر میں یکسانیت نہیں، کہیں قلم جلی ہے، کہیں متوسط، کہیں خفی، یہی حال سطور کا بھی نظر آتا ہے، اس کا کوئی مقررہ اصول نہیں ہے۔ فی صفحہ ۲۳ (مخطوطہ ورق ۱۷۱/ب) سے تینتیس سطریں تک آئی ہیں۔ (مخطوطہ ورق ۲۰۷ب) بعض اور اوراق پر ۲۴/ سے ۲۳/ سطور ہیں۔ کاتب بعض مرتبہ ایک دوسرے کے مقابل صفحات میں بھی مطابقت کا خیال نہیں رکھتا، جس صفحہ پر جس طرح قلم چل گیا، چل گیا۔

ناقلین کتب اور وراقین کا عام معمول ہے کہ وہ عنوان عبارت کے سرآغاز یا منتخب وممتاز الفاظ اور عبارتوں کو نمایاں کرنے کے لیے سرخ روشنائی سے یا کسی اور رنگ سے لکھتے ہیں، جو پڑھنے والے کی توجہ جذب کر سکے۔ ہدی الساری کے اس نسخہ کے ناقل (محمد بن ابی الجاہ حضرمی) نے بھی اسی معمول کی پابندی کی ہے، مگر حضرمی کے اس عمل میں بھی یکسانیت نہیں، کئی موقعوں پر وہ ابواب، عنوانات، فصلوں اور قولہ وغیرہ سب کو سرخ روشنائی سے روشن کرتا ہے، لیکن تقریباً ایک تہائی کتاب کے بعد اس طریقہ اور سرخ روشنائی کے استعمال میں خاصی کمی آ گئی ہے، کاتب بعد میں بڑے خاص عنوانات کو سرخ روشنائی لکھتا ہے اور جو چیزیں اوسط درجہ کی سمجھتا ہے، ان پر صرف ایک لکیر کھینچ دیتا ہے یا لال نشان لگا دیتا ہے، یہی ترتیب تقریباً آخر کتاب تک چلی گئی ہے۔

کاغذ: نسخہ کا کاغذ بہت عمدہ، چکنا اور ایسا ہے کہ سوا چھ سو سال گزرنے کے بعد بھی کہیں سے خستہ اور کمزور محسوس نہیں ہوتا۔ آج بھی اس کے صفحات میں چمک، چکناہٹ موجود ہے، مگر کاغذ ایک قسم کا نہیں ہے، دو قسم کا کاغذ ہے، دوسرا کسی قدر ہلکا ہے، مگر زیادہ فرق نہیں ہے۔

حافظ کے قلم سے اپنے سامنے قرأت وسماعات کی متعدد تصدیقات: کم سے کم دو اشخاص شیخ سمیر الدین اور ان کے بیٹے محمد نے حافظ ابن حجر کے سامنے اس نسخہ میں پڑھا ہے۔ دونوں کے پڑھنے سننے کی جگہ جگہ تصدیق کی گئی ہے۔ پہلی تحریر کے الفاظ یہ ہیں:

بلغ سیدنا الشیخ سمیر الدین صاحب ھذہ النسخة، عرضا وسماعاً، وولدہ محمد علی مؤلفه فی المجلس الأول۔ کتبه مؤلفه عفی اللہ عنه

www.shibliacademy.org

(ورق ۔۷۔الف)

اس کے بعد تقریباً آخری کتاب تک بلاغات وسماعات کی تصدیق درج ہے۔

ب: ایک اور موقعہ پر تحریر ہے: بلغ معاملة و سماعافي الدار؟ (ورق:۱۲-الف)

یعنی یہ سماع اور درس واستفادہ، حافظ ابن حجر کے دولت کدہ پر ہوا ہے۔

ج: ایک حاشیہ پر رقم فرمایا ہے: ثم بلغ صاحبہ اعزہ اللہ تعالیٰ سماعا علی۔ کتبہ مولفہ (ورق:؟؟)

د: ورق ۴۸/ب، کا اندراج ملاحظہ ہو: ثم بلغ اعزہ اللہ تعالیٰ۔

ہ: ورق ۵۰/الف پر ہے: بلغ مقابلة۔

و: ورق ۵۳/ب پر لکھا ہے: ثم بلغ کذالک۔

ز: ورق ۱۲۱/الف پر ہے: بلغ سماعا و عرضا۔

چند اوراق کے بعد جگہ جگہ لکھا ہے: بلغ کذالک، ثم بلغ کذالک، ثم بلغ کذالک، ثم بلغ کذالک کہیں کہیں صرف بلغ بھی تحریر ہے۔

یہ بلاغات اور تصدیق قرأت وسماعات، ہدی الساری کے اس نسخہ میں رجال کی آخری بحث تک مسلسل درج ہیں، رجال کی بحث میں اور اس کے بعد ان کا اندراج نہیں، اسی طرح رجال کے باب میں اصلاح وترمیم بھی بہت کم کی گئی ہے جو نہ ہونے کے برابر ہے، دو تین ورقوں کے بعد کوئی مختصر فقرہ لکھا ہے۔

مذکورہ نسخہ میں حافظ ابن حجر کے قلم سے بے شمار تحریریں اور اضافے: اس نسخہ کے حاشیے، توضیحات اور اضافوں سے بھرے ہوئے ہیں، جس میں لفظی ترمیمات بھی ہیں، متن کی درستگی اور تبدیلی بھی کی گئی ہے، کثیر اضافے بھی ہیں اور توضیحات بھی، مگر یہ تمام حاشیے اور اضافے ایک قلم سے ایک انداز میں تحریر نہیں، بلکہ میرے ناقص خیال میں یہ چار طرح کی تحریریں ہیں، ایک باریک عمدہ، خوش قلم، نسخ کی تحریر ہے، حضرت مصنف کے دستخط اور توثیقات گواہ ہیں کہ یہ حضرت حافظ ابن حجر کا قلم ہے، ایک اور تحریر جس کی روشنائی کشمشی رنگ میں ذرا پھیلی پھیلی سی ہے، یہ بھی حافظ کی تحریر ہے۔

حافظ کے قلم سے اس کی بھی ضمناً تصدیق ہو رہی ہے کہ یہ حافظ کی یادگار ہیں، دو تحریریں اور ہیں، ایک نسخ میں جو عمدہ اور خوشنما نہیں، ایک اور تحریر کسی قدر کھلی کھلی سی ہے، اگرچہ مجھے اس کی کوئی

www.shibliacademy.org

داخلی شہادت نہیں ملی لیکن خیال ہوتا ہے کہ یہ دونوں تحریریں بھی خود حافظ کی ہوں گی، کیونکہ ہدی الساری کی اس نسخہ کے کاتب (محمد بن ابی الجاہ حضرمی) کی طرح حافظ کا قلم بھی یکساں نہیں، حافظ کبھی کسی طرح لکھتے ہیں کبھی کسی اور طرح۔ ہندوستان کے بلند پایہ محقق اور محدث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے حافظ ابن حجر کی روانی قلم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

و کان سریع الکتابة لیس بجید الخط و لا یحوی فی کتاباته علی خط واحد و یکثر التغییر فی کتاباته حتی تصیر مبیضته مسودة و کذالک اختلفت نسخ مؤلفاته۔ (۴)

اس کے علاوہ حافظ کی تصنیف کے اصل نسخوں، تصانیف ومولفات کا پڑھنا خصوصاً متاخر دور کی بہت مشکل ہے، کئی مرتبہ اس کی تہہ تک پہنچنا دشوار ہوجاتا ہے۔ حافظ ابن حجر کے احوال و تصانیف پر وسیع نظر رکھنے والے محقق ڈاکٹر شاکر محمود عبدالمنعم کا قول ہے:

وقد لاحظت عند دراستی لمؤلفاته ان خطه یقرأ بصعوبة باللغة، ویصعب علی من لم یمارس قراة المخطوطات، انه قرأعلی وجه الصواب۔ (۵)

حافظ کی معجم اسانید کی خودنوشت یادگار "المعجم المؤسس للمعجم المفهرس" کے مرتب اور حاشیہ نگار نے اس کتاب کی تمہید میں اس المعجم الموسس کے نسخہ مصنف کی تحریر کے متعلق لکھا ہے:

وهذه النسخة یصعب قراء تها، وهی ملیئة بالحواشی و التشطیبات، والاستدراکات، قد استفدنا منها القلیل۔ (٦)

تقریباً یہی بات شیخ محمد عوامہ نے مقدمہ تقریب التہذیب میں کہی ہے۔ (۷) ان تصریحات سے واضح ہے کہ حافظ ابن حجر کا قلم مختلف رہتا تھا ان کا مبیضہ مسودہ میں تبدیل ہوتا رہتا تھا۔ یقیناً یہی بات ہدی الساری کے اس نسخہ میں بھی نظر آ رہی ہے، اس لیے یہ بات اطمینان سے کہی جاسکتی ہے کہ اس نسخہ کے اکثر حاشیے (دوتہائی یا اس سے زیادہ) حافظ کے قلم سے ہیں۔ کچھ اور افادات جو بعد میں اضافہ کیے گئے ہیں، ممکن ہے حافظ کے کسی شاگرد کے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ یہ عمل بھی حافظ ابن حجر کی ہدایت اور اجازت سے ہوا ہو۔

زیر تعارف کے تحریراً و تصحیحاً نسخۂ مولف ہونے کی اور اس میں درج تصحیحات و اضافات کے

www.shibliacademy.org

بخط حافظ ابن حجر ہونے کی اس سے بھی متواتر تصدیق ہورہی ہے کہ اس نسخہ میں تقریباً سو سے زیادہ مقامات پر متن کی قدیم عبارت پر قلم پھیر دیا گیا ہے، پرانی عبارت کو محو کر کے نئی عبارت لکھی ہے، بہت سے الفاظ وکلمات پر خط کھینچ کر یا نشان لگا کر حاشیہ پر حواشی دیے گئے ہیں، یہ اصلاحات وتغیرات ایسے ہیں کہ مصنف کے علاوہ دوسرا شخص اس کا ارادہ اور خیال بھی نہیں کرسکتا۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ کسی بڑے عالم یا مصنف کے لکھے ہوئے نسخہ میں، دو چار الفاظ کتابت یا سبقت قلم سے کچھ اور لکھے گئے ہوں، کاتب نسخہ یا ناقل ان کو درست کردے، مگر یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ اس میں بار بار کثرت سے ترمیم واصلاح کر کے اس کو علاحدہ کتاب بنانے کی کوشش کرے۔ مصنف نے اس نسخہ میں جو ترمیمات اور اضافے کیے ہیں، وہ کئی طرح کے ہیں۔ ترمیم کی عموماً دو صورتیں ہیں:

اندرون کتاب یا متن میں جو فقرہ یا کلمہ اصلاح طلب محسوس ہوا اس پر قلم پھیر کر گویا کالعدم کردیا۔ اس جگہ پر ہلال کا خفیف سا نشان بنا کر یا حاشیہ پر ترمیم کی گئی عبارت میں نئے فقرے یا کلمات لکھے ہیں۔ یہ ترمیم کبھی متن میں تخفیف کی گئی عبارت کے برابر ہوتی ہے، کبھی کم یا زیادہ۔ کئی موقع پر متن کی عبارت پہ لائن کھینچ کر اس کو کالعدم نہیں کیا گیا، بلکہ اس عبارت پر خفیف سے نشانات لگا دیے، جو اس طرح کے ہیں ـہ ـہـ ۔

بعض جگہوں پر عبارت کو قلم زد کرنے یا نکالنے کے لیے اس کے ابتدائی اور آخری حرف پر صرف "لا" کا نشان لگا دیا ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ مصنف نے نظر ثانی کے وقت اس عبارت کو اپنے مسودہ سے خارج کردیا ہے۔

کچھ موقع پر ترمیم کے لیے کوئی نشان نہیں لگایا گیا، حاشیہ پر کچھ نہیں لکھا، بلکہ اسی جگہ اندرون کتاب میں پرانی عبارت پر قلم سے ایک لکیر کھینچ کر، اسی جگہ نئی عبارت لکھ دی ہے۔ اس قسم کی ترمیمات کی نوعیت جاننے کے لیے ایک عبارت اور اس کی ترمیمات کا یہاں نقل کرنا مفید ہوگا، اس سے حافظ کے بنیادی نسخہ (مسودہ) اور بعد کی اصلاحات وترمیمات کا فرق معلوم ہوگا۔ حافظ نے کتاب التوحید کے تحت ایک موقع پر لکھا ہے:

حديث عبدالله، هو ابن مسعود، اجتمع عند البيت ثقفيان

وقرشي او قرشيان وثقفي تقدم۔

www.shibliacademy.org

اس موقع پر حافظ ابن حجر نے لفظ **تقدم** پر ہلال کا نشان بنا کر حاشیہ پر اس فقرہ کو اس طرح لکھا: **في تفسير فصلت**

بعد کے نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "**تقدم في تفسير فصلت**" معلوم ہوا کہ ہدی الساری کے ابتدائی نسخہ یا مسودہ کی عبارت **تقدم** پر ختم ہوگئی تھی، حافظ نے زیر نظر نسخہ کے حاشیہ پر ایک مختصر فقرہ بڑھایا: "**في تفسير فصلت**" جس سے بات مکمل ہوگئی۔

اس سے ملحق ایک عبارت اور ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"**ان الثقفی عبد یالیل .... بن عمرو بن عمیر .... و صفوان بن امیه۔ و قتل الثقفی الاخنس بن شریق و الفرس الاسود بن عبدیغوث، و قتل الثقفی حبیب بن عمرو۔ و قد اشرنا الی ذالک في کتاب التفسیر**"۔(۸)

مگر پوری عبارت قلم زد کردی ہے، یعنی مصنف نے اپنے پہلے نسخہ یا مسودہ میں یہی لکھا تھا، نظر ثانی کے وقت اس کو ساقط اور خارج کر دیا، اسی وجہ سے عبارت مطبوعہ نسخوں میں شامل نہیں۔

اسی طرح کی ایک مثال اور جس سے معلوم ہوگا کہ یہ نسخہ مصنف کے نہایت توجہ اور اہتمام سے اصلاح کیا ہوا مکمل نسخہ ہے۔ حافظ نے تحریر فرمایا ہے:

حديث ام عطية: نهينا عن اتباع الجنائز، رواه ابن شاهين باسناد صحيح۔

ابن شاہین پر خفیف سا ہلالی نشان لگا کر حاشیہ میں اس حوالہ کا اضافہ کیا ہے (والاسماعیلی) اب مکمل عبارت اس طرح ہوگئی ہے:

"**رواه ابن شاهين و الاسماعيلي باسناد صحيح**"۔

یعنی نظر ثانی میں الاسماعیلی زیر نظر فقرہ پر اضافہ کیا گیا ہے، ابتدائی اصل مسودہ میں شامل نہیں تھا، مطبوعہ میں بھی موجود ہے۔ اسی کے بعد ایک اور عبارت پڑھیے، اس میں ترمیم اور اضافہ دونوں عمل ایک ساتھ نظر آرہے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

"**حديث زينب بنت أبي سلمة، لما جاء نعي أبي سفيان من الشام، المعروف جاء نعي يزيد بن ابي سفيان (فلعله كان فيه نعي ابن ابي سفيان، فسقط ابن)۔**

وقد رواه المصنف من طريق اخرىٰ، بلفظ: لما توفي اخوها، و هذا هو

www.shibliacademy.org

الصواب۔

زیر نظر نسخہ بتارہا ہے کہ مصنف نے بعد میں اس عبارت میں دو طرح سے ترمیم کی ہے: ''أبی سفیان'' پر ہلالی نشان لگا کر حاشیہ پر یہ اضافہ کیا ہے:

''فلعله كان فيه نعني ابن ابی سفیان، فسقط ابن''

اور اس کے بعد کی جو عبارت ہے وقد رواہ المصنف سے آخر تک اس عبارت پر قلم پھیر دیا ہے، یعنی یہ مکمل فقرہ جو ابتدائی مسودہ میں موجود تھا نظر ثانی میں بالکل نکال دیا ہے، اس پر ایک فقرہ فلعله کان سے فسقطت ابن کا اضافہ کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے مطبوعہ نسخہ میں فلعله کان عبارت موجود ہے، بعد کی عبارت غائب ہے۔

تصحیح کا ایک اور طریقہ: اوپر گذر گیا ہے کہ مصنف ہر موقع پر ایک ہی نشان یا علامت کی پابندی نہیں کرتے، ایک مقصد کے لیے ایک سے زائد علامت واشارے بھی استعمال فرماتے ہیں، جیسے کچھ عبارتوں میں فقروں کو نظر ثانی میں خارج کرتے وقت ان پر قلم نہیں لگایا، لکیر نہیں کھینچی، بلکہ جس فقرہ یا عبارت کو حذف کرنا ہے، اس کے سب سے پہلے اور سب سے آخری حرف پر کلمہ لام الف لا ثبت کر دیا ہے، جو اس کی علامت ہے کہ اس عبارت کو ختم کر دیا ہے، اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ:

رجا وعلی بن عاصم عن عبداللہ (بن ابی بکر وقد رواہ مسعر و مرجأبن مرجأ وعلی بن عاصم عن عبیداللہ)۔ (۹)

مصنف نے نظر ثانی میں اس کے دو تہائی حصہ کو کالعدم کر دیا، بن ابی بکر سے آخر تک پوری تحریر خارج کی گئی ہے، مگر اس پر خط کھینچ کر واضح نہیں کیا بلکہ پہلے لفظ ابن ابوبکر سے عبیداللہ تک ہر ایک لفظ پر ـــہ ـــہ نشان لگائے ہیں، آخر میں عبیداللہ کے اختتام پر ''لا'' لکھ دیا ہے، یعنی آیندہ کے لیے اس عبارت کو کتاب میں شامل کرنے کی نفی کی جارہی ہے۔

اضافہ کی ایک اور مثال، سنہ بھی تحریر ہے: ایسے اضافے جو اس نسخہ کے حاشیہ پر کیے، بعض موقع پر کئی کئی سطریں ہیں، ان میں سے زیادہ وہ ہیں جو المنیریہ کے نسخہ میں شامل ہیں، مگر یہ بات صرف یہ مخطوطہ ہی یہ واضح کرسکتا ہے کہ کون کون سا افادہ اور حاشیہ حافظ نے اس نسخہ میں بعد کے

www.shibliacademy.org

دور میں شامل کیا، اس میں چند اضافے بھی ہیں، جو حافظ کی زندگی کے آخری زمانہ کی یادگار ہیں۔ مثلاً مطبوعہ نسخوں میں ایک عبارت عموماً شامل ہے:

قوله ان سائلا سأله، لم أقف علی اسمه، لکن ذکر شمس الدین الحنفی السرخسی، فی کتابه المبسوط۔ ان السائل الثوبان۔ (۱۰)

مخطوطہ میں اس مختصر عبارت کے ساتھ ایک خاص تاریخی اور اہم صراحت ہے۔ لکھا ہے:

''ألحق ۸۴۹ھ''۔

یعنی یہ الفاظ حافظ ابن حجر نے ۸۴۹ھ میں اضافہ کیے تھے جو واضح شہادت ہے کہ ہدی الساری کا یہ نسخہ آخری دور تک حافظ کے سامنے رہا اور اصلاحات وترامیم سے آراستہ ہوتا رہا۔

حافظ ابن حجر کا ایک معمول جس کو خاص احتیاط اور عبارت کو شبہ سے محفوظ رکھنے کی کوشش کہنا چاہیے، یہ بھی ہے کہ حافظ کئی مرتبہ مختصر ترمیم یا ضروری اضافہ، متن میں قدیم تحریر کے ساتھ ہی کر دیتے ہیں اور اگر اس سے مغالطہ کا اندیشہ ہو، تو اس جگہ پر حجر، حجر لکھ کر گویا اپنے دستخط بھی کر دیتے ہیں، اس سے پڑھنے والوں کو یہ وہم نہیں ہوسکتا کہ یہ غلطی سے لکھا گیا ہوگا یا کسی اور شخص کی تحریر وترمیم ہے۔ مثلاً (ورق ۱۶۳/ب پر) ایک عبارت ہے: ''رواه ابن ابی شیبة والحاکم''

اس کے حاشیہ پر: واحمد کا اضافہ کیا ہے اور چونکہ اسی سطر کے نیچے دوسری سطر میں بھی، ایک اور تصحیح بھی کی گئی ہے، اس پر خط کھینچ دیا ہے۔ یہ دونوں عبارتیں اسی ترمیم کی وجہ سے آپس میں مل گئی ہیں، اس لیے دونوں پر حجر حجر لکھ دیا ہے کہ اس تصحیح سے قاری کو وہم اور پریشانی نہ ہو۔

ترمیم اور اس پر نظر ثانی: حافظ کی تصحیحات وترمیمات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ چند عبارتوں میں حافظ نے دو دو مرتبہ تبدیلی کی ہے، مگر پھر ترمیم شدہ عبارت کو ختم کر کے، وہی عبارت دوبارہ باقی رکھی ہے جو ابتدائی مسودہ میں تھی۔ مثلاً (ورق ۱۹۳، سطر ۷) میں لکھی، متن میں لکھے ہوئے فقرہ کو قلم زد کر کے دوبارہ اسی جگہ پر نئی عبارت تحریر کی گئی، بعد میں اس کو بھی تبدیل کر دیا اور حاشیہ پر ایک نیا فقرہ تحریر کیا، آخر میں دونوں جگہ حافظ نے اسی عبارت کو باقی رکھا جو اصل مسودہ میں ہے۔

اصلاح وترمیم کے چند اور طریقے: مصنف سے انتساب میں کسی کو شبہ نہ ہو، اس لیے حافظ ابن حجر نے اہتمام کیا کہ ہر اضافہ کے اختتام پر اپنا پورا نام ابن حجر یا اس کا اشارہ تحریر فرما دیا۔ یہ معمول

www.shibliacademy.org

صرف حاشیوں پر نہیں ہے بلکہ کتاب کے متن میں بھی کئی جگہ یہی عمل ہے۔

اسی طرح اگر کہیں کسی عبارت کے درمیان میں یا نئے عنوان اور فصل وغیرہ سے پہلے آدھی سطر یا چند کلمات اور فقروں کی جگہ خالی رہ گئی، وہاں بھی اپنا نام لکھ یا دستخط ثبت کردی، ایسے مقامات پر صرف ایک مرتبہ نہیں، بلکہ بیشتر تین مرتبہ حجر، حجر، حجر لکھتے ہیں کہ یہ بیاض صحیح ہے۔ کئی موقع پر جہاں کاغذ سادہ ہے، صحیح البیاض کی بھی صراحت ہے۔

حواشی پر پرچیوں کا اضافہ (۱۱): اس نسخہ میں کم سے کم چار علاحدہ اوراق پر الگ الگ چھوٹی بڑی پرچیاں چپکی ہوئی ہیں، یہ غالباً وہ افادات ہیں جو بالکل آخری دور میں بڑھائے گئے، ایک چٹ پر سن کتابت بھی تحریر ہے، لکھا ہے: "الحق ۸۴۴ھ" یعنی یہ عبارت یا افادہ ۸۴۴ھ کا ہے، اہمیت و افادیت کے باوجود یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب کتاب میں حاشیہ کی گنجائش تھی تو علاحدہ سے یہ چٹیں کیوں لگائی گئیں؟

بین السطور اضافے: مصنف نے ایک دو حرف یا مختصر فقرات والے اضافے، بین السطور میں بھی کیے ہیں، مگر یہ تعداد اور مقدار دونوں میں بہت کم ہیں، جیسے (ورق ۶۰/ب) کی دسویں، گیارہویں سطروں کے درمیان خفیف اضافہ۔

خطی نسخہ کے اضافات و مندرجات، مطبوعہ نسخوں میں موجود ہیں: اس نسخہ کے اور بھی کئی پہلو ہیں، اگرچہ یہاں ان سب کی وضاحت و نشاندہی کا موقع نہیں، تاہم اس نسخہ کی ایک معروف اشاعت (مطبوعہ منیریہ مصر ۱۳۴۷ھ) اور نسخہ میں عبارت کی تقدیم و تاخیر، ابواب کی ترمیم اور الفاظ کا اختلاف واضح ہے اور خطی نسخہ کے چند مندرجات مطبوعہ نسخوں میں شامل ہی نہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ حافظ نے مقدمہ کے زیر نظر نسخہ میں کتاب الطہارۃ سے احادیث کا سلسلہ شروع کیا ہے (۱۲)، احادیث کا شمار مسلسل ہے، درمیان میں ابواب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب البیوع وغیرہ کے عنوانات آتے رہتے ہیں، ان کے ذیل میں بہت سی احادیث کی وضاحت ہے کہ یہ حدیث کس کتاب کی ہے، بہت سی احادیث کے آغاز پر ان کتابوں کے ناموں کے مخففات ہیں صحیح بخاری کے لیے خ، صحیح مسلم کے لیے م، سنن نسائی کے لیے س وغیرہ ہیں۔ مثلاً:

کتاب الطہارۃ میں الحدیث الثانی، قال الدار قطنی پر خ اور م کا اشارہ درج ہے۔

اسی طرح الحدیث الثالث، قال الدار قطنی پر بھی خ-م کا اشارہ ہے، الحدیث الرابع

www.shibliacademy.org

پر کچھ نہیں ہے۔ الحدیث الخامس پر خ-م رقم ہے۔

الحدیث الثالث و الثلثون پر بھی یہی خ-م تحریر ہے۔ مگر ان تمام اشارات میں ایک بھی مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں۔

چند اور ایسے عنوانات و مضامین جو نسخہ مصنف کی ابتدائی ترتیب میں شامل تھے، بعد میں حذف کردیے گئے

اس نسخہ میں سے ایک خاص تغیر بیسیوں عنوانات کی ترمیم بھی ہے۔ مناسب ہے کہ یہاں ان کا بھی کچھ تذکرہ ہوجائے۔

ہدی الساری جلد ثانی میں ایک عنوان ہے: من باب حج ابی بکر الی التفسیر مگر خطی نسخہ میں (۱۵۱/الف) من حج ابی بکر الی مرض النبی صلی اللہ علیہ و سلم ہے۔

اس کے بعد ایک اور باب یا عنوان ہے:

"من باب مرض النبی صلی اللہ علیہ و سلم الی کتاب التفسیر" (مخطوطہ ورق ۱۵۱/ب) مگر مصنف نے اس عنوان کو کاٹ دیا، یہ باب بھی مطبوعہ میں موجود نہیں۔ (ص ۵۲، ج ۲) اسی قسم کے اور بھی متعدد ابواب و عنوانات ہیں جن کو مصنف نے نظر ثانی میں، کتاب کی سابقہ ترتیب سے خارج کردیا ہے یا اس میں ترمیم کی ہے۔ اس کے الفاظ تبدیل کیے ہیں یا ان کو بالکل ہی نکال دیا ہے۔

مخطوطہ اور مطبوعہ میں فرق: مطبوعہ نسخوں میں چند ایسے عنوانات و مندرجات ملتے ہیں، جن کو مصنف نے اپنے نسخہ میں قلم زد کردیا تھا۔ مثلاً:

من باب القسمة و تغليق القنو فی المسجد الی السترة۔

نسخہ سے یہ خارج تھا (ورق ۱۲۶/الف) مگر یہ مطبوعہ میں موجود ہے۔ (دیکھیے ص ۱۱، ج ۲)

چند جگہوں پر عبارت میں کچھ تقدیم و تاخیر بھی ہوگئی ہے جیسے مخطوطہ (ورق ۱۵۱/الف) میں "من حج ابی بکر رضی اللہ عنہ" کی ابتدا حدیث ابی هريرة رضی اللہ عنہ و كانت منهم، ای من بنی ... تقدم الينا ام سمرة فی العتق۔ (مطبوعہ: ۵۱-۲)

اس میں دو باتیں توجہ چاہتی ہیں اول یہ کہ مخطوطہ کی پہلی تحریر میں یہ عبارت مکمل نہیں تھی، حافظ ابن حجر نے اس کو تصحیح یا نظر ثانی میں مکمل کیا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مخطوطہ میں باب حج ابی

www.shibliacademy.org

بکر کے بعد، پہلی روایت حضرت ابن عباس کی ہے، مگر مخطوطہ میں باب کی ابتداء مذکورہ بالا روایت سے ہورہی ہے۔اسی طرح کی اور بھی متعدد روایتیں ہیں، جو آگے پیچھے ہوگئی ہیں یہ جملہ تصحیفات اور سہو تحریر و طباعت ہیں، جو خطی نسخہ کے توجہ سے مطالعہ کے بعد بڑی تعداد میں سامنے آتی ہیں، مگر نمونہ کے لیے یہی بہت ہے۔

نسخہ کا سب سے پہلا ورق: نسخۂ کاندھلہ میں ایک کمی یہ ہے کہ اس کا سب سے پہلا صفحہ یا سرورق محفوظ نہیں رہا۔ پہلا صفحہ یا ورق اگر محفوظ رہتا، تو اس سے اس زیر تعارف نسخہ کے تمام گوشے واضح ہوجاتے۔ ممکن تھا کہ اس پر حافظ ابن حجر کے قلم سے، اجازت یا کوئی اور وضاحتی تحریر درج ہوتی، خیال ہے کہ اس وقت جو پہلا صفحہ اس نسخہ کے ساتھ شامل ہے، وہ غالباً دسویں صدی ہجری میں نقل کر کے اصل نسخہ کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ یہ صفحہ کس نے لکھا اور اس نسخہ میں شامل کیا اس کا علم نہیں، لیکن اس کے پہلے صفحہ پر اسی کاتب کے قلم سے (جس نے اس ضائع صفحہ کو نقل اور مکمل کیا ہے) تحریر ہے:

مقدمة شرح البخاری للإمام العلامة حافظ العصر قاضی القضاة شهاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی الشافعی رحمه الله تعالیٰ۔

یہ تحریر عربی اسلوب میں ہے، جس سے خیال ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا شاید کوئی عرب ہوگا۔

نسخہ کے سرورق اور صفحہ پر درج تحریریں، مہریں: سرورق کی اس عبارت کے نیچے سب سے پہلے ایک گول مہر ہے، جو مٹی ہوئی ہے، اس کے چند الفاظ واضح نہیں ہیں، مہر کی آخری سطر میں ”محمد“ اور اوپر بائیں جانب ”اللہ“ پڑھا جاتا ہے۔ ایک حرف جو اوپر کی سطر کا پہلا حرف ہے، صاف نہیں ہے، یہ ولی اللہ، ثناء اللہ، وفاء اللہ یا اسی طرح کا ملتا ہوا کوئی نام ہے، جو پڑھنے میں نہیں آیا۔ اس تحریر کے بعد اس سے ملا ہوا ایک نشان سا ہے۔ کہنا مشکل ہے کہ یہ مہر تھی، جس کو بالکل مٹا دیا گیا یا لغزش قلم سے لگا ہوا روشنائی کا نشان ہے۔

اس صفحہ کے اوپر دائیں کونہ پر قدیم فارسی الاصل ہندوستانی اعداد میں اوراق کی تعداد درج کی گئی ہے، اعداد میں لکھا ہے دوسواڑتیس ورق، اس کے نیچے اس نسخہ کی قیمت سات روپیہ لکھی ہوئی ہے۔

نسخہ پر درج مغلیہ عہد کے ایک بڑے امیر کی تحریر اور مہر: اس کے اختتام پر بائیں کونہ سے ایک آڑی تحریر ہے جو پھیلتی، چوڑی ہوتی ہوئی دائیں جانب مڑتی ہوئی اس صفحہ کے وسط تک آ گئی ہے، یہ کسی

www.shibliacademy.org

قدر جلی قلم سے ہے۔اس سے (ہندوستان کے سیاسی پس منظر میں) اس نسخہ کی تاریخی اہمیت کا پتہ چل رہا ہے، اس کی بہت عمدہ، پختہ نستعلیق تحریر ہے، اس کے الفاظ اور سطور اصل کے مطابق اس طرح ہیں:

مقدمہ شرح بخاری

قیمت (دس روپئے)

وقفت فی سبیل اللہ فرزند بجان پیوند

ہدایت اللہ خاں را، معہ فرزندان

متولی نمودم ۱۲۳ محمد شاہی لطف اللہ خاں (۱۳)

ذی قعدہ ۱۷ بہادر۔ صادق ۱۱۲۲ھ

ترجمہ: میں نے اس کتاب کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے اور اپنے جان سے پیارے بیٹے ہدایت اللہ خاں کو اور بیٹوں کے ساتھ، اس کا متولی بنا دیا ہے۔

اس عبارت کے بیچ میں ''لطف اللہ خاں صادق بہادر'' کی مہر ثبت ہے۔اس کی دائیں جانب ''رجب ۳، احمد شاہی'' لکھا ہے اور اس کے نیچے دائیں طرف تحریر ہے: ''عرض دیدہ شد'' یعنی یہ کتاب ملاحظہ شاہ سے گزر چکی ہے۔

ایک اور مہر فضلی علی کی: اس کے نیچے ایک اور چھوٹی سی بیضوی مہر ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: بندۂ آل عبا، ۱۱۸۴ فضلعلے۔فضل علی کو ملا کر لکھا ہے، کذا: فضلعلے۔ یہ مہر غالباً فضل علی عثمانی پانی پتی کی ہے، جو شاید شاہ عبدالعزیز کے متوسلین میں سے تھے۔ان کے کتب خانہ کی دس بارہ قلمی کتابیں جن پر فضل علی یا ان کے فرزند محمد یٰسین پانی پتی کی مہریں اور دستخط ہیں، ہمارے قلمی ذخیرہ میں موجود ہیں۔ایک کتاب ایسی بھی ہے جو خود، فضل علی پانی پتی نے مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کو پیش کی تھی۔فضل علی کے قلم سے اس پر ہدیہ وغیرہ کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔یہ تحریر ۱۲۰۰ھ کی ہے۔اس لیے یہ خیال بے وجہ نہیں کہ ہدی الساری کا یہ نسخہ شیخ فضل علی پانی پتی نے اور کتابوں کے ساتھ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (وفات ۱۲۴۵ھ۔۱۸۲۹ء) کی نذر کیا ہوگا۔البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فضل علی ان کے علاوہ کوئی اور شخص ہوں۔

''عرض دیدہ شد'' یہ ہندوستان کے مغل بادشاہوں (جنھوں نے ہندوستان پر تقریباً ساڑھے تین سو سال ۹۳۲ھ۔۱۵۲۶ء سے ۱۲۷۴ھ۔۱۸۵۷ء تک حکومت کی) کے علمی مزاج اور کتب خانہ

www.shibliacademy.org

رکھنے کے ذوق کی خاص یادگار اور پہچان ہے۔

بادشاہوں کے کتب خانے اور خود کتابوں سے دلچسپی: دستور یہ تھا کہ شاہی کتب خانہ میں جو کتابیں داخل ہوتی تھیں وہ بادشاہ وقت کے ملاحظہ سے گزاری جاتی تھیں یا جب سال میں عموماً ایک مرتبہ شاہی کتب خانہ کی مکمل صفائی، ترتیب کتب اور فہرست کتب سے موجودہ کتابوں کی مطابقت کی جاتی تھی تھی، اس وقت بادشاہ جس کتاب کو بذات خود دیکھتا، ملاحظہ کرتا، اس پر ''عرض دیدہ شد'' کے الفاظ اور اس کے نیچے ملاحظہ کی تاریخ لکھ دی جاتی تھی۔ بعض مرتبہ کتب خانہ کے ذمہ دار (کتاب دار) کے دستخط یا مہر بھی اس پر ثبت ہوتی تھی اور کبھی صرف ''عرض دیدہ شد'' کے ساتھ تاریخ ملاحظہ شاہی لکھ دی جاتی تھی۔

سنہ جلوس، ہجری اور عیسوی سنین اکے علاوہ ہیں: ایسی کتابوں پر جو یہ سنین درج کیے جاتے تھے، یہ نہ ہجری سنہ تھے نہ عیسوی، نہ کسی اور کلینڈر کی پہچان، بلکہ یہ علاحدہ علاحدہ سنہ ہوتے تھے، جو ہر مغل بادشاہ کی تخت نشینی کی تاریخ اور مہینہ سے شروع ہوتے تھے اور اس بادشاہ کی موت یا تخت سے معزولی پر ختم ہو جاتے تھے، جو نیا بادشاہ تخت پر بیٹھتا، اس کا سن جلوس الگ ہوتا تھا۔

ہندوستان میں مغلوں کے دور حکومت میں ایک ضابطہ اور رواج یہ تھا کہ تمام اندراجات دستاویزات، کتابوں اور خطوط وغیرہ پر، اسی بادشاہ کے سنہ جلوس کے اندراج کو تمام مملکت میں اہمیت اور اولیت دی جاتی تھی، بادشاہ کے تخت پر جلوس کی تاریخ سے ہی تمام حسابات و اندراجات ہوتے تھے، ان میں دو بادشاہوں کا زمانہ حکومت ۵۰، ۵۱ سال رہا اور بعض کا چند سال، چند مہینے یا چند ہفتے، مگر ہر ایک کے تاریخ اور سنین کا ایک اصول تھا، اس کے بادشاہ ہونے کے وقت سے تمام سرکاری کاغذات و دستاویزات خصوصاً قاضیوں کے فیصلوں اور سرکاری خط و کتابت میں اسی سن جلوس کا اندراج کیا جاتا تھا۔

مغلوں کے سن جلوس کی سن ہجری سے مطابقت: ان حسابات کی ترتیب پر ۹/رجب ۳ احمد شاہی جو اس مہر کے ساتھ درج ہے، مطابق ہے رجب ۱۱۶۴ھ کے اور ۲۳/ذی قعدہ ۱۷ محمد شاہی مطابق ہوگا، ۲۳/ذی قعدہ ۱۱۴۸ھ (اپریل ۱۷۳۶ء) کے۔ اس نسخہ پر ثبت لطف اللہ صادق کی تحریر میں ۲۳/ذی قعدہ ۱۷ احمد شاہی کی تاریخ، ذی قعدہ ۱۱۴۸ھ کی وضاحت اور اس کے سولہ سال بعد، ۱۱۶۴ھ میں شاہی کتب خانہ کا اندراج کہہ رہا ہے کہ یہ نسخہ لطف اللہ صادق پانی پتی کی ملکیت تھا، جس کو انہوں نے فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا، مگر یہ نسخہ شاہی کتب خانہ میں داخل کر لیا گیا تھا۔ (۱۴)

www.shibliacademy.org

مغل بادشاہوں کا کتب خانے ضبط کرنے کا معمول: مغل بادشاہوں کا یہ بھی ایک طریقہ تھا کہ جب وہ اپنے بعض امراء سے ناراض ہوتے تھے، توان کی وفات یا معزولی کے بعد ان کے کتب خانے ضبط کر کے شاہی کتب خانہ میں شامل کرلیا کرتے تھے۔ لطف اللہ صادق کے کتب خانہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ لطف اللہ صادق معتوب ہو گئے تھے، مورخین نے لکھا ہے کہ ان کا گھر بار ضبط کرلیا گیا تھا، غالباً اسی وقت ان کا کتب خانہ یا اس کی منتخب کتابیں دہلی کے لال قلعہ یا شاہی کتب خانہ میں منتقل ہوگئی ہوں گی، جس میں ہدی الساری کا یہ نسخہ بھی رہا ہوگا۔

لطف اللہ صادق کا تعارف: نواب لطف اللہ صادق کا، ہندوستان کے مشہور اور بہت پرانے شہر پانی پت (صوبہ ہریانہ) کے انصاری خاندان سے رشتہ تھا۔ مغل بادشاہ بہادر شاہ اول کے دور حکومت (۱۱۱۸ھ۔۱۷۰۷ء۔ ۱۱۲۴ھ۔ ۱۷۱۲ء) میں شاہی دربار میں آنا جانا ہوا، ترقی کرتے ہوئے بہت اونچے منصب تک پہنچے۔ لطف اللہ صادق کا احمد شاہ (۱۱۶۱ھ۔۱۷۴۸ء/ ۱۱۶۷ھ۔ ۱۷۵۴ء) کے زمانۂ حکومت میں انتقال ہوا۔ (۱۵)

فضل علی کون تھے؟: اس کے بعد کی مہر فضل علی کی ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰-۷۱ء) کی ہے، یہ بظاہر شاہی کتب خانہ کے ناظم (کتاب دار) تھے۔ اس کے بعد ہدی الساری کا یہ نسخہ ہمارے جد مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (ولادت ۱۱۶۲ھ۔۱۷۴۸ء۔ وفات ۱۲۴۵ھ۔۱۸۲۹ء) کی ملکیت میں آیا، ان کا علمی ورثہ جو ایک معتبر و موقر کتب خانہ تھا، ان کے اخلاف سے منتقل ہوتا ہوا مجھ تک پہنچا اور اس وقت ہماری لائبریری کے لیے وجہ افتخار ہے۔

مفتی الٰہی بخش کا تعارف: ہندوستان کا ایک ممتاز و معزز اور نہایت مشہور دینی علمی خاندان وہ ہے، جس کا کئی سو سال سے قصبہ کاندھلہ ضلع شاملی، مظفر نگر یو پی ہند میں قیام ہے۔ یہ خاندان اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے گھرانہ سے وابستہ، ابوجعفر محمد واعظ بغدادی کی اولاد میں ہے۔ اس گھرانہ کے ممتاز عالم قاضی ضیاء الدین سنامی، ہندوستان کی آٹھویں صدی ہجری کی نامور اور ممتاز دینی شخصیت اور احتساب پر بہت مشہور و معتبر اہم کتاب نصاب الاحتساب کے مصنف تھے۔ قاضی ضیاء الدین کے پرپوتے قاضی شیخ محمد رجب ۹۲ھ (۱۲۹۳ء) میں کاندھلہ اور نواح کے قاضی اور امام مقرر کیے گئے۔ اس وقت ہندوستان کے حکمراں سلطان محمد بن فیروز شاہ تغلق نے اس کے لیے شاہی فرمان جاری کیا تھا،

www.shibliacademy.org

اس وقت سے یہ خاندان کاندھلہ میں آباد ہے اور نسلاً بعد نسلٍ، دینی علمی خدمات انجام دیتا چلا آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے اس میں آج بھی علماء اور خادمان علم و دین موجود ہیں۔

ابتدائی تعلیم: مولانا مفتی الٰہی بخش بن مولانا محمد عرف حکیم شیخ الاسلام ۱۱۶۲ھ (۴۷-۱۷۴۷ء) میں پیدا ہوئے، قرآن مجید حفظ کیا، فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں اور چودہ سال کی عمر میں (تقریباً ۱۱۷۶ھ، ۶۲-۱۷۶۲ء میں) دہلی کے مرکز علم میں حجۃ الانام الامام شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم الدہلوی (صاحب حجۃ اللہ البالغہ) کے مدرسہ میں پڑھنے اور تعلیم کے اعلیٰ درجات حاصل کرنے کے لیے آ گئے تھے۔ خیال ہے کہ اس وقت شاہ ولی اللہ بحیات تھے، مگر مفتی الٰہی بخش صاحب کم سن تھے، ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے، اس لیے شاہ ولی اللہ کو دیکھا ہوگا، ان کی مجالس علم میں حاضر ہوئے ہوں گے مگر شاہ ولی اللہ سے تلمذ اور تعلیم نہیں ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے اول شاگرد: شاہ ولی اللہ کے فرزند اور علم و کمالات کے سب سے بڑے وارث شاہ عبدالعزیز (۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ) تھے۔ شاہ عبدالعزیز نے شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد جب والد کی مسند درس سنبھالی تو اس وقت پانچ طالب علم تعلیم واستفادہ کے لیے شاہ عبدالعزیز کے سامنے حاضر ہوئے تھے، یہ شاہ عبدالعزیز کے سب سے پہلے باقاعدہ شاگرد تھے، ان میں شاہ عبدالعزیز کے دو بھائی (شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر) اور مفتی الٰہی بخش شامل تھے۔ مفتی صاحب نے متوسطات سے اعلیٰ ترین کتابیں، طب اور معقولات کی اعلیٰ ترین درسیات شاہ عبدالعزیز سے پڑھیں۔ اکثر کتابوں میں شاہ عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی اور شاہ ولی اللہ کے ایک اور بیٹے شاہ رفیع الدین مفتی الٰہی بخش کے رفیق و ہم سبق تھے۔ شاہ عبدالعزیز جن سے بلا مبالغہ ہزاروں علماء نے پڑھا اور اجازات لیں۔ مفتی الٰہی بخش کو اپنے سب سے ممتاز شاگردوں میں شمار فرماتے تھے۔ (۱۶)

مفتی صاحب تعلیم کے بعد شاہ صاحب کے نمایندہ اور قائم مقام کی حیثیت سے نواب ضابطہ خاں کی ریاست میں مفتی اعظم مقرر کیے گئے۔ ضابطہ خاں کی حکومت ختم ہونے کے بعد بھوپال وغیرہ ریاستوں میں ملازم رہے، ہر جگہ علم و درس، تصنیف و تالیف اور اصلاح و تربیت کا کام جاری رکھا، آخر میں وطن آ گئے تھے، یہاں بھی وفات تک علمی خدمات میں ہمہ تن مشغول رہے۔

مفتی الٰہی بخش کی خدمات اور تصانیف: درس و تعلیم، فتاویٰ نویسی، اصلاح و تربیت اور مواعظ

www.shibliacademy.org

وغیرہ کی مصروفیات کے علاوہ تصنیف وتالیف اورشعروادب میں بھی اعلیٰ درجہ انہماک تھا، ہندوستان کے علمی حلقوں میں معمول ومروج، تینوں زبانوں اردو، فارسی، عربی ہر ایک میں لکھتے اور شعر کہتے تھے۔ تقریباً چالیس تصانیف، شرحیں اور حاشیے عربی میں، ساٹھ سے زائد فارسی میں اور دس اردو میں ہیں۔ مفتی صاحب کی تحریروں اور معاصر اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اور بھی تصانیف ومولفات تھیں، جن کا ہمیں سراغ نہیں ملا۔(۱۷)

عربی تصانیف میں سے احوال رواۃ صحیح بخاری، فتوح الاوراد شرح حصن حصین، اربعینات فی الحدیث، (چھ مجموعہ جومختلف ترتیبات پرمرتب ہیں) تذکار اصحاب البدر، حدالبصائر فی عد الکبائر، تلخیص غایة السول في خصائص الرسول ﷺ [تالیف علامه ابن الملقن] شیم الحبیب [فی سیرۃ النبی ﷺ] امثال العرب، حاشیه مقامات حریری، احوال علمائے حنفیه، تلخیص الصواعق في رد الروافض اور شرح قصیدہ بانتسعاد عربی تصانیف میں شامل ہیں۔

مفتی صاحب کو عربی، فارسی اور اردو زبانوں پر یکساں قدرت حاصل تھی، مفتی صاحب نے شرح بانت سعاد کو اپنی قابلیت اور علوم وفنون میں مہارت کا بہترین نمونہ بنادیا۔ مفتی صاحب نے قصیدہ بانت سعاد کی عربی میں عمدہ جامع شرح لکھی ہے، بانت سعاد کے ہر ایک شعر کا فارسی، اردو اور عربی میں منظوم ترجمہ کیا ہے، عربی میں حضرت کعب بن زہیرؓ کے خیال کو اسی پیرایہ میں بالکل نئے اور خاص انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ ترجمہ مفتی صاحب کے کمال علمی کا خاص ترجمان ہے، ہندوستان میں ایک مرتبہ شائع بھی ہوچکا ہے۔

مفتی صاحب نے تقریباً ساٹھ سال تک درس وافادہ کا وسیع سلسلہ جاری رکھا۔ مفتی صاحب کے دامن سے تربیت نکلے فاضل طلبہ اور جید علماء کا ایک بہت بڑا اثر اور فائدہ یہ ہوا کہ انھوں نے اس پورے خطہ کو علم کی دولت، دین ودیانت اور علوم اسلامیہ کی تعلیم وتدریس سے مالا مال کردیا۔ بعد کے دور میں خصوصاً شمالی ہندوستان میں، جو نامور علماء اور خادمان دین وشریعت اٹھے اور عالم اسلام کے افق پر چھا گئے، انہوں نے ایسے غیر معمولی دینی ادارے قائم کیے، جو ہندوپاکستان بلکہ پوری دنیا میں علم و خدمت دین کا نشان بنے ہوئے ہیں، پوری دنیا ان سے فیض یاب، منور ومستفید ہورہی ہے، وہ بلاشبہ

www.shibliacademy.org

مفتی صاحب کی علمی جدوجہد اور ان کے شاگردوں کی جلائی ہوئی علمی مشعلوں سے منور ہوئے اور ان کے اثرات سے ایک عالم روشن ہے۔ (۱۸)

مفتی صاحب نے متحرک اور صاحب کمال شاگردوں کی ایک طاقتور جماعت یادگار چھوڑی تھی، جس کا اس علاقہ کی دینی تعمیر و ترقی، رفعت پرواز اور عالمی نفوذ میں غیر معمولی اور سب سے اہم، سب سے بڑا اور نہایت بنیادی حصہ ہے۔ مفتی صاحب کی تقریباً اکیاسی سال کی عمر میں، ۱۵/ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۵ھ (۱۳/ دسمبر ۱۸۲۹ء) کو کاندھلہ میں وفات ہوئی۔ وہیں دفن کیے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ہدی الساری کے آغاز پر جو فہرست مضامین ہے وہ مفتی صاحب کے قلم سے ہے، مفتی الٰہی بخش راقم سطور کے اجداد میں تھے، مفتی صاحب کے کتب خانہ کی اور بہت سی نادر قیمتی قلمی کتابیں، جس میں ہدی الساری کا یہ نسخہ بھی ہے، موجودہ نسل تک پہنچا اور منتقل ہوا ہے۔

کلمۂ اختتام: یہ اس نسخہ کے مندرجات اور بعض مشتملات کا سرسری اور جزوی تعارف ہے، اس کے کاتب کے سواد تحریر، اس کی فروگذاشتوں، مصنف (حافظ ابن حجر) کی اس نسخہ پر خاص توجہ، اس میں پڑھانے، اس نسخہ کا اپنے نسخہ سے مقابلہ کرنے، اس نسخہ کی تصحیح فرمانے، اس پر بے شمار تصحیحات اور تعلیقات کا اضافہ فرمانے، کتاب کے آغاز سے اختتام تک اس میں ترمیم و اضافہ و قطع و برید کرنے، اپنے علوم اور افادات و نکات سے اس کو مالا مال بنانے اور بھرپور فرما دینے کی برسہابرس طویل کوشش نے اس نسخہ کو علوم اور حافظ کے لعل و گہر کا ذخیرہ اور گنجینہ بنا دیا ہے۔ ان تمام مندرجات اور اس کے جملہ مشتملات کا حق ہے کہ اس نسخہ کو اصل و بنیاد بنا کر اور ہدی الساری کے اہم ترین خطی نسخوں کو سامنے رکھ کر، اس طرح مرتب کیا جائے کہ قدیم اور غالباً اہم ترین نسخہ کے تمام مندرجات اور اس میں موجود حافظ کے تمام اضافے، تصحیحات، تغیرات اور جملہ افادات و کلمات محقق اور منقح ہو کر سامنے آجائیں، دیگر نسخوں سے اس کو مزید بہتر اور بلند سے بلند تر بنانے کی کوشش کی جائے۔ والحمد للہ علی الاتمام والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خیر الانام، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

حواشی

(۱) تصحیح اور تحقیق متن۔ پروفیسر نذیر احمد۔ (علی گڈھ) ص ۲۹-۲۸، بمبئی یونیورسٹی، بمبئی، ۱۹۸۸ء۔ (۲) مدرسہ ناصریہ، قاہرہ ۷۰۶ھ میں سلطان ناصر صلاح الدین نے یوسف بن محمد بن سلطان ظاہر نے تعمیر کرایا تھا۔ بعض معلومات کے لیے دیکھیے:

www.shibliacademy.org

الدارس فی تاریخ المدارس تالیف علامہ عبدالقادر بن محمد النعیمی (م ۹۷۸ھ) ص ۸۵-۹۰، ج ۱، دارالکتب العلمیۃ، (بیروت ۱۴۲۰ھ-۲۰۰۰ء)۔(۳) بریکٹ میں درج فقرہ، اس تحریر پر اضافہ ہے جو کسی متاخر شخص کی تحریر معلوم ہوتی ہے، اس کی تحقیق آیندہ صفحات میں آرہی ہے۔(۴)۔مقدمہ، المطالب العلیۃ بزوائد المسانید الثمانیہ، لابن حجر تحقیق الاعظمی، ص ن، ج ۱ (وزارۃ الاوقاف والشوون الاسلامیۃ، کویت، بلاسنہ)۔(۵) ابن حجر العسقلانی، مصنفاتہ و دراسۃ فی منھجہ و موارد ہ فی کتابہ الاصابۃ ص ۱۸۷، ج ۱۔(۶) مقدمہ المعجم المؤسس، لمحمد شکور امریر، المیادینی، ص ۹، (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۱۷ھ)۔(۷) مقدمہ تقریب التہذیب، تحقیق شیخ محمد عوامہ، ص ۶۰، (طبع دیوبند، الہند)۔(۸) ہدی الساری، مخطوطہ ۸۲۰ھ۔ ورق ۱۶۰۔الف، مطبوعہ منیریہ مصر، ص ۸۰، ج ۲ (مصر ۱۳۴۸ھ)۔(۹) ہدی الساری ورق ۱۷۳/الف، الحدیث العاشر من کتاب الصلوۃ مطبوعہ منیریہ مصر، ص ۸۷، ج ۲۔(۱۰) مخطوطہ ورق ۱۲۵/الف، مطبوعہ منیریہ ص ۹، ج ۲۔(۱۱) ملاحظہ ہو: ورق ۶۵/الف، ورق ۶۷/الف، ورق ۶۷/ب، ورق ۷۱/الف۔(۱۲) ہدی الساری، مخطوطہ از ورق ۱۷۰/ب تا۔(۱۳) لطف اللہ صادق کی ایک اور مملوکہ کتاب پر بھی ایسی ہی عبارت درج ہے لکھا ہے: ''.....مع فرزندان متولی نمود'' ۲۲/ذی قعدہ سنہ ۱۷ محمد شاہی۔مگر اس عبارت کا ایک فقرہ، فوٹو میں سیاہ پڑ گیا ہے، اس لیے پڑھا نہیں گیا، اس مخطوطہ پر جو مہر ثبت ہے، اس میں کچھ اضافہ بھی ہے جو اس طرح ہے: ''لطف خاں بہادر صادق، فدوی محمد فرخ سیرؒ بادشاہ غازی'' یہ گول مہر ہے، یہ کتاب محدث ابن الجزری کی تصنیف ہے، اس کا عکس خدابخش لائبریری جرنل کے خاص شمارہ ''ترقیمے، مہریں اور عرض دیدے'' (مطبوعہ ۱۹۹۲ء) کے ص ۲۶۲ پر چھپا ہے۔مگر خدابخش جرنل کے اس شمارہ میں یہ صراحت نہیں کہ یہ نسخہ کس کتاب کا ہے اور کہاں ہے۔(۱۴) ۱۱۳۱ھ-۱۷۱۹ء سے ۱۱۶۱ھ-۱۷۴۸ء تک محمد شاہ تخت نشین تھا، اس کے بعد اس کا بیٹا احمد شاہ ۱۱۶۱ھ-۱۷۴۸ء میں بادشاہ بنا، ۱۱۶۷ھ-۱۷۵۴ء تک بادشاہ رہا، پہلے کا سنہ محمد شاہی، دوسرے کا احمد شاہی ہے۔(۱۵) مآثر الامراء تالیف صمصام الدولہ شاہ نواز خاں، ص ۸۷-۱۷۷، فارسی (کلکتہ، ج ۳، حصہ ۳، ۱۸۹۰ء) اردو ترجمہ ایوب قادری ص ۱۵۲، ج ۳ (لاہور ۱۹۷۰ء)۔تاریخ پانی پت ص ۲۸-۲۹، شمارہ خاص، ماہ نامہ ''حیات نو'' پانی پت (ج ۲، شمارہ ۱، جولائی ۱۹۳۶ء)۔(۱۶) ملفوظات فارسی، حضرت شاہ عبدالعزیز-مرتبہ ومولفہ ۱۲۳۳ھ ص ۴۰، (مطبع مجتبائی، میرٹھ، طبع اول ۱۳۱۴ھ)۔(۱۷) مفتی صاحب کی معلومات کے لیے دیکھیے: حدیقۃ الافراح، لاراحۃ الافراح، احمد بن محمد یمانی الشروانی، ص ۴۲۴ (کلکتہ ۱۲۲۹ء)، نزھۃ الخواطر (الاعلام بما فی الھند من الاعلام) مولانا عبدالحی حسنی رائے بریلوی، ص ۲۷، ج ۷ (دائرۃ المعارف، ۱۳۹۹ھ-۱۸۷۹ء، حیدرآباد)، تذکرہ حضرت مفتی الٰہی بخش نشاط کاندھلوی اردو، تالیف نورالحسن راشد کاندھلوی (طبع اول کاندھلہ، ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۱ء)، (طبع دوم، ۱۴۳۶ھ-۲۰۱۴ء)۔(۱۸) یہ کتب خانہ اگر محفوظ رہتا تو بلاشبہ ہندوستان کے بڑے علمی ذخیروں میں شمار ہوتا، مگر افسوس کہ اس کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا، اس میں حضرت امام غزالی، امام ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ سیوطی اور ہندوستان کے بڑے بڑے علماء کی تصانیف کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، اور خود ان ائمہ اعلام کے قلم سے لکھی ہوئی متعدد کتابیں موجود تھیں، مگر آہستہ آہستہ اس کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا، مگر بحمد للہ تعالیٰ پھر بھی بہت کچھ باقی ہے۔تقریباً چالیس سال کی محنت وتلاش اور لاکھوں کے خرچ کے بعد تقریباً سترہ سو مخطوطات اندازاً اٹھارہ ہزار مطبوعات اور مشاہیر علمائے ہند کی بے شمار تحریرات وباقیات پر مشتمل ہے۔فالحمد للہ والشکر علی ھذہ النعمۃ الجلیلۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔